إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

ترجمہ: بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ (آل عمران: ۱۹)۔

شرح ثلاثة الأصول وأدلتها

للشيخ محمد بن عبد الوهاب رحمه الله

مولف:

شیخ محمد امان بن علی الجامی رحمہ اللہ

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

مقدمہ

برائے ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

بندے کے مقدر میں جتنا لکھا ہوتا ہے اس دنیا میں جیتا ہے، پھر وقت مقررہ پر یہاں سے کوچ کرکے دار برزخ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور پھر عبوری طور پر جب تک اللہ چاہے گا قبر میں رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے قبر سے اٹھائے گا اور پھر اسکا حساب کتاب لے گا، دنیا، برزخ اور آخرت تینوں مراحل میں انسان کی سعادت اور شقاوت تین سوالوں کے جواب پر منحصر ہے، جنہیں اہل علم ایسے رہنما اصول مانتے ہیں جن پر دین کی بنیاد ہے: تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی اور رسول کون ہے؟

شیخ محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ نے ان تینوں اصولوں پر بڑے ہی مفید اور نفیس اسلوب میں گفتگو کی ہے، جس کی بہت سارے فاضل علماء نے شرح کی ہے، انہیں میں سے ہمارے ایک بہت ہی فاضل اور مکرم شیخ علامہ محمد امان جامی رحمہ اللہ بھی ہیں، آپ نے شرح کے اندر کتاب کا پورا حق ادا کردیا ہے، اسی لئے میں چاہا کہ اس جامع اور نفیس شرح کو استفادہ عامہ کی خاطر منظر عام پر لایا

جائے، دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ہماری نیکیوں کو قبول فرمائے، اس شرح کو مقبول عام اور حسن خاتمہ کی توفیق عطا فرمائے۔

کتبہ

د/سلمان بن جابر عثمان السویلم

شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ کی سوانح

(۱۳۴۹-۱۴۱۶ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد ألا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله صلى الله وسلم عليه وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ کا طلبہ پر بڑا فضل رہا ہے، اور آپ نے گرانقدر بھاری علمی ترکہ اپنے پیچھے چھوڑ رکھا ہے جس سے غفلت برت کر آپ کے چاہنے والوں اور بالخصوص آپ کے طلبہ نے اچھا نہیں کیا۔

اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اہل بدعت نفس پرستوں کے باطل مناہج اور سلفی منہج کے درمیان فرق واضح کرنے میں اور لوگوں پر بالخصوص نوجوانوں پر شیخ نے جو عظیم اثرات چھوڑے ہیں یہ ایک عظیم کارنامہ ہے، کیونکہ اہل بدعت اور اہل ضلالت نوجوانان امت کو منہج نبوی اور صحابہ کے منہج سے بھٹکانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے لیکن شیخ نے انہیں ہر موڑ پر چت کردیا اسی لئے آپ نے انکی طرف سے ہر طرح کی تکلیف اور طعن وتشنیع کا سامنا کیا۔

اہل بدعت نے آپ کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈہ اور گھٹیا قسم کا حملہ جاری رکھا یہاں کہ ان بدقماشوں نے شیخ کو جسمانی تکلیفیں بھی پہونچانے کی کوشش کی ہے، اور اگر اللہ کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو یہ بیہودے آپ کو کافی نقصان پہونچادیتے، لیکن شیخ نے سلفیت کی نشر واشاعت اور اس کے دفاع میں صبر وشکر اور احتساب کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

بنابریں شیخ کا ہم پر یہ حق بنتا ہیکہ کم ازکم ہم شیخ کی پہلے سوانح پیش کردیں جو کہ شیخ کے خاص شاگردوں کے جہود کا خلاصہ ہے جنہیں میں نے افادہ عامہ کی خاطر ایک جگہ جمع کردیا ہے تاکہ قارئین کرام اس سے استفادہ کریں۔

* نام ونسب:

آپ کا نام محمد امان بن علی جامی علی ہے، اور کنیت ابو احمد ہے۔

* وطن:

حبشہ کے معروف علاقے " ھرر" کے ایک مضافاتی بستی" طغا طاب" کے رہنے والے ہیں۔

* ولادت:

سرکاری دستاویزات کے مطابق آپ کی ولادت ۱۳۴۹ھ میں ہوئی ہے۔

*نشو ونما اور حصول علم:

شیخ کا بچپن آبائی گاؤں" طغا طاب" ہی میں گزرا اور وہیں پر آپ کی نشو ونما ہوئی ہے، ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں ہوئی ہے، جہاں پر قرآن کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں شافعی مذہب پر کتب

فقہ کی تعلیم کا آغاز کیا اور اپنے ہی گاؤں میں شیخ محمد امین ھرری سے عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی، پھر اس بستی کی عادت کے مطابق آپ دوسرے گاوں چلے گئے، جہاں پر اپنے ساتھی شیخ عبدالکریم سے ملاقات ہوئی، اس طرح دونوں میں اسلامی اخوت قائم ہوگئی، دونوں شیخ موسی کے پاس گئے اور "نظم الزبد لابن رسلان" کی پڑھائی کی، پھر دونوں نے شیخ ابادر سے المنهاج کے متن کی پڑھائی کی، ساتھ ہی اس بستی میں اور دیگر فنون کی تعلیم حاصل کی۔

پھر دونوں وہاں سے حج اور تعلیم کے مقصد سے مکہ مکرمہ جانے کا قصد کیا، چنانچہ دونوں حبشہ سے صومال گئے جہاں سے دونوں کشتی کے ذریعے عدن پہونچے، اثنائے سفر بہت ساری صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ وہاں سے دونوں پیدل حدیدہ پہونچے اور وہیں پر رمضان کے مہینے میں ٹھہر گئے، وہاں سے سعودی عرب کا قصد کیا، چنانچہ صامطہ اور ابوعریش پہونچے جہاں سے مکہ جانے کی اجازت نامہ حاصل کی، اور یہ پورا سفر پیدل طے ہوا تھا، یمن ہی میں بعض مشائخ نے دونوں کو سلفی دعوت سے آگاہ کر دیا تھا کہ وہاں تم لوگوں کو وہابی مذہب کا سامنا پڑے گا جس سے بچ کر رہنا ہے۔

*سعودی عرب میں حصول علم:

١٣٦٩ھ میں حج کی ادائیگی کے بعد شیخ نے حرم مکی کے اندر وہاں کے مختلف علمی حلقوں میں تعلیم حاصل کرنا شروع کیا، چنانچہ شیخ عبدالرزاق، شیخ عبدالحق ہاشمی اور شیخ محمد عبداللہ صومالی وغیرہ سے متعدد علوم حاصل کئے۔

مکہ ہی میں آپ کا تعارف شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے ہوا جو آپ کو اپنے ساتھ ریاض

لیکر چلے گئے جہاں پر معہد علمی کا افتتاح ہوا تھا، اسی معہد میں آپ کے ساتھ ثانویہ کی تعلیم شیخ عبد المحسن العباد حفظہ اللہ اور شیخ علی بن مھنا نے بھی حاصل کی تھی، جو کہ مدینہ کے محکمہ شرعیہ میں قاضی رہ چکے ہیں، ساتھ ہی شیخ نے ریاض میں مشائخ کے دیگر علمی حلقوں سے بھی استفادہ کیا۔

چنانچہ ریاض ہی میں مفتی عام شیخ علامہ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ سے بھی کافی متاثر تھے اور علمی استفادہ بھی کیا، جس طرح کہ عبد الرحمن افریقی اور شیخ عبد العزیز بن باز رحمہما اللہ سے بھی خوب علمی استفادہ کیا، اسی طرح ریاض ہی میں شیخ محمد شنقیطی اور شیخ علامہ محدث حماد انصاری رحمہما اللہ کے علم واخلاق سے خوب استفادہ کیا، اسی طرح علمی اور تدریسی میدان میں شیخ عبد الرزاق عفیفی کے اسلوب سے کافی متاثر ہوئے، جس طرح کہ شیخ علامہ عبد الرحمن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ سے کافی متاثر ہوئے، آپ دونوں کے درمیان کافی علمی مراسلات بھی چلتے تھے، آپ نے علامہ محمد خلیل ھراس سے بھی تعلیم حاصل کی اور آپ سے کافی متاثر بھی ہوئے، جس طرح کہ آپ نے شیخ عبد اللہ قرعاوی سے بھی متاثر ہوئے۔

*علمی لیاقت:

۱-المعہد العلمی ریاض سے ثانویہ کی ڈگری حاصل کی۔

۲-کلیہ الشریعہ سے ۱۳۸۰ھ میں عالمیت کی ڈگری حاصل کی۔

۳-کلیہ الشریعہ کے معادلے پر پنجاب یونیورسٹی سے آپ نے ۱۹۷۴م میں ماجستیر کی ڈگری حاصل کی۔

۴-اسکے بعد دار العلوم قاہرہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

*شیخ کا علمی مقام:

اہل علم کے نزدیک شیخ کا بڑا علمی مقام تھا، اسی لئے علماء نے آپ کا خوب ذکر خیر کیا ہے، اہل علم آپ کے علم اور عقیدے پر پورا اعتماد کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جس وقت وہ ریاض میں پڑھ رہے تھے اسی وقت شیخ ابن باز رحمہ اللہ آپ کی علمی لیاقت اور اخلاق و کردار کو دیکھ کر شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کے پاس لے گئے اور پھر جازان علاقے میں واقع معہد صامطہ العلمی میں تدریسی فریضے کیلئے تقرری کرادی۔

اہل علم کے نزدیک آپ کے علم وفضل، عقیدے اور تعلیمی لیاقت ہی کی بنیاد پر جامعہ اسلامیہ مدینہ کے افتتاح ہی کے وقت آپ کو بطور استاذ کے تقرری کرلی گئی، شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے خود آپ کو چنا تھا، اور یہ معلوم ہیکہ جامعہ اسلامیہ کہ بنیاد سلفی عقیدے اور منہج پر ڈالی گئی ہے، سو آپ کو پہلے ثانویہ میں عقیدہ پھر کلیہ میں عقیدے کی تدریس کیلئے متعین کیا گیا آپ کے عقیدے ومنہج اور علمی لیاقت کی وجہ سے تاکہ جامعہ کے اہداف کو پورا کرنے میں آپ اپنا کردار ادا کریں۔

ذیل میں بعض اہل علم کے اقوال درج کئے جارہے ہیں:

۱- شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے آپ کے ایک بیانیے کے تعلق سے سوال کیا گیا جسے آپ نے ۲۸/ ۷/ ۱۴۱۲ھ میں دیا تھا تو اس پر آپ نے جواب دیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ، وبعد:

جو بیانہ میری طرف سے صادر ہوا ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ تمام علماء اور داعیان تعمیری نقد کریں اور نقد برائے نقد اور جرح سے پرہیز کریں، اس سے مراد ہمارے وہ طلبہ، دعاۃ اور اساتذہ

نہیں ہیں جو مدینہ مکہ، مدینہ، جدہ یا ریاض میں رہتے ہیں، بلکہ یہاں عمومیت مراد ہے، جہاں تک مدینہ کے ہمارے مشائخ کا تعلق ہے تو یہ حضرات اچھے عقیدے میں معروف ہیں یہ سب اہل سنت والجماعہ میں سے ہیں جیسے کہ شیخ محمد امان جامی، شیخ ربیع بن ہادی مدخلی، شیخ صالح بن سعد سحیمی، شیخ فالح بن نافع، شیخ محمد بن ھادی، یہ سب استقامت دین اور عقیدہ ومنہج اور علم شرعی میں معروف ہیں، دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو مزید خیر وبھلائی سے نوازے۔

میری مراد وہ اہل باطل داعی ہیں جو لوگوں کیلئے تشویش کا باعث بنتے ہیں اور فضول باتوں اور قیل وقال میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، جبکہ علماء کے کلام کو اچھے محمل پر محمول کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، نیکی اور تقوی کی بنیاد پر آپسی تعاون کا جذبہ رکھنا چاہئے، دلوں کو صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے تا کہ ہمارے دل غیبت اور چغلی سے محفوظ رہے جسکی وجہ سے آپسی بغض وعناد اور دشمنی کا سبب ہوتا ہے، اللہ ہم سب کو ہدایت اور استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

("الینابیع فی الثناء علی الشیخ ربیع" نامی کیسٹ، تسجیلات ابن رجب)۔

۲- شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے کہا کہ علم شرعی حاصل کرنے والے اور اونچی اونچی ڈگریوں والے بہت ہیں، لیکن بہت کم ایسے ملیں گے جن کے علم سے لوگ استفادہ کرتے ہوں، اور شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ ان تھوڑے نادر علمائے ربانیین میں سے ہیں جنہوں نے اپنے علم اور انکی ساری کوشش کو مسلمانوں کی بھلائی کیلئے وقف کر دی تھی، آپ علم وبصیرت کی بنیاد پر تعلیم اور دعوت کے میدان میں پورے خلوص کے ساتھ کام کرتے تھے خواہ آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ میں رہے ہوں یا مسجد نبوی میں یا پھر مملکت سعودی عرب میں یا بیرون ملک دعوتی دوروں میں، آپ

توحید کی دعوت دیتے اور عقیدہ صحیحہ کی نشر و اشاعت کرتے تھے، اور نوجوانوں کو ہمیشہ منہج سلف کی طرف رہنمائی کرتے تھے اور ساتھ ہی باطل فرقوں اور گمراہ کن تخریبی تنظیموں اور جماعتوں سے انہیں آگاہ کرتے تھے، جو آپ کی عظیم شخصیت سے واقف نہ ہو وہ آپ کی مفید کتابوں اور کیسٹوں کے ذریعے آپ کو جان سکتا ہے جو علم نافع کا خزانہ ہیں، آپ زندگی بھر خیر و بھلائی کے داعی رہے یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہو گئے، آپ نے اپنے پیچھے علم کا ایک عظیم ترکہ چھوڑا ہے اپنی کتابوں، خطابوں اور طلبہ کی شکل میں، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے اور عمدہ بدلہ عطا فرمائے، وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ۔ (مصدر سابق)۔

۳- شیخ ربیع بن ہادی مدخلی حفظہ اللہ نے کہا کہ جہاں تک شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو آپ کو یہی جانتا ہوں کہ آپ ایک پکے موحد مومن تھے، سلفی منہج پر قائم تھے، فقیہ اور علوم عقیدہ میں ماہر تھے، دعا ہیکہ اللہ تعالی نفس پرستوں کے طعن و تشنیع کے عوض آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔

۴- شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ کہتے ہیں کہ میں شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ کو اسی وقت سے جانتا ہوں ہوں جب آپ میرے ساتھ معہد الریاض العلمی کے اندر طالب علم تھے، پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ میں استاذ ہو گئے، آپ اچھے عقیدے اور صحیح منہج کے حامل تھے، مذہب سلف کے مطابق آپ اپنے دروس، لیکچرز اور تحریروں میں عقیدے کی تشریح کرتے اور بدعات سے آگاہ کرتے تھے، اللہ

آپ کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور اجر جزیل سے نوازے۔انتہی۔

کبار اہل علم کے تعریفی وضاحتوں سے شیخ کے علمی مقام اور دعوتی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح آپ نے چالیس سالوں تک تدریس و دعوت کے میدان میں خود کو وقف کر دیا تھا، اہل علم کی معیت میں رہ کر عقیدہ سلف کی اشاعت کرتے رہے اور اہل بدعت باطل پرستوں پر رد کرتے رہے اور انکے گمراہ کن شبہات و اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیتے رہے یہاں تک کہ عقیدہ ہی آپ کی پہچان بن گیا، کیونکہ آپ اسی پر زیادہ ترکیز کرتے تھے۔

*علمی آثار:

۱-الصفات الالہیہ فی الکتاب والسنہ النبویہ فی ضوء الاثبات والتنزیہ۔

۲-منزلۃ السنہ فی التشریع الاسلامی۔

۳-مجموع رسائل الجامی فی العقیدہ والسنہ۔

۴-العقیدہ الاسلامیہ وتاریخھا۔

۵-حقیقۃ الدیمقراطیہ وأنھا لیست من الاسلام۔

۶-حقیقۃ الشوری فی الاسلام۔

۷-أضواء علی طریق الدعوہ الی الاسلام۔

انکے علاوہ بھی آپ نے کئی رسالے تحریر فرمائے ہیں جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱-تصحیح المفاھیم فی جوانب من العقیدہ۔

۲-المحاضرۃ الدفاعیۃ عن السنہ النبویہ۔آپ نے دراصل سوڈان کے اندر ۱۳۸۳ھ میں ایک لیکچر دیا تھا جس میں ملحد محمود محمد طہ پر رد کیا ہے۔

۳-العقل والنقل عند ابن رشد۔

۴-طریقۃ الاسلام فی التربیۃ۔

۵-مشاکل الدعوہ والدعاۃ فی العصر الحدیث۔

۶-الاسلام فی افریقیا عبر التاریخ۔

*آپ کے تلامذہ:

ایسی شخصیت جس نے اللہ کی راہ میں دعوت دین اور عقیدہ صحیحہ کی خاطر بڑی تکلیفیں اٹھائی ہوں اور شب و روز اسی عقیدہ توحید اور منہج سلف کی نشر و اشاعت میں گزار دیا ہو خواہ مملکت سعودی عرب کے اندر رہ کر یا پھر بیرون ملک دعوتی دوروں میں، ایسی شخصیت کے طلبہ اور محبین نیز اس سے علمی پاس بجھانے والوں کو شمار کرنا مشکل ہوگا، خواہ یہ علمی استفادہ لوگوں نے آپ سے جازان، مدینہ اور مملکت سعودی عرب کے دیگر شہروں میں کیا ہو یا پھر پاکستان اور افریقہ کے ملکوں میں کیا ہو، یا پھر مسجد نبوی کے علمی حلقوں میں یا کفر جدہ اور دیگر شہروں کی مساجد میں استفادہ کیا ہو۔ان میں چند نمایاں شاگردوں کا ذکر درج ذیل ہے:

۱-شیخ ربیع بن ہادی عمیر مدخلی۔

۲-شیخ زید بن ھادی مدخلی۔

۳- دکتور علی بن ناصر فقیہی۔

۴- دکتور محمد بن حمود وائلی۔

۵- شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھی۔

۶- دکتور صالح بن سعد سحیمی۔

۷- دکتور بکر بن زید ابوعبداللہ۔

۸- شیخ فالح بن نافع الحربی۔

۹- دکتور صالح رفاعی۔

۱۰- دکتور فلاح اسماعیل۔

۱۱- دکتور فلاح بن ثانی۔

۱۲- دکتور ابراہیم بن عامر رحیلی۔

انکے علاوہ آپ کے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔

* اخلاق حمیدہ:

۱- آپ اللہ تعالی، اسکی کتاب، اسکے رسول، مسلمانوں کے حکام اور عام مسلمانوں کیلئے ناصح اور خیر خواہ تھے، آپ کی زندگی پر ایک ادنی غور و فکر سے یہ معلوم ہو جائے گا، کیونکہ آپ نے اپنی زندگی کو عقیدہ سلف کی نشر و اشاعت میں گزار دی ہے، اپنے دروس لیکچرز کے ذریعے، اپنی کتابوں اور کتاب وسنت کے مخالفین پر ردود کے ذریعے۔ آپ مخالف پر رد کرتے وقت بڑا عادلانہ کردار

نبھاتے تھے، عصبیت اور نفس پرستی سے دور رہتے تھے۔

۲- آپ لوگوں سے اسی وقت ملتے تھے جب علمی استفادہ مقصود ہوتا، آپ نے اپنے اوقات کو تعلیم ودعوت کیلئے مینٹین کررکھا تھا، اور اس تعلق سے آپ کا طریقہ کار معروف ہے، چنانچہ آپ فجر کیلئے مسجد نبوی جاتے اور فجر بعد وہاں درس دیتے، پھر صبح سویرے جامعہ اسلامیہ کیلئے نکل جاتے، پھر دوپہر میں وہاں سے گھر آتے، پھر عصر کے وقت مسجد نبوی کیلئے نکل جاتے جہاں عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد آپ کے علمی دروس ہوتے تھے، آپ کا زندگی بھر یہی روٹین رہا یہاں تک کہ آپ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

۳- آپ کی زبان پاک تھی، کسی پر آپ تو لعن طعن کرتے اور نہ ہی غیبت چغلی کرتے اور نہ ہی اپنی مجلسوں میں کسی کو اس کی اجازت دیتے، حتی کہ کسی شخص کے تعلق سے کوئی غلط بات نقل کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے الا یہ کہ کوئی علمی بات ہو، اگر کسی کے تعلق سے کوئی کسی عقدی غلطی کا ذکر ہوتا تو آپ اس پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اس شخص کی کیسٹ یا کتاب منگواتے پھر اسے سنتے اور پڑھتے، جب آپ کو کوئی غلطی نظر آتی تو اس کی وضاحت فرماتے اور نصیحت کرتے۔

۴- آپ عفو ودرگزر کے پیکر تھے، حزبیوں اور اہل بدعت پر رد کرنے کی وجہ سے آپ کو بری تکلیفوں کا سامنا ہوا مگر آپ نے ہمیشہ معاف کیا، کسی کی گالی، جھوٹ، الزام، پروپیگنڈے اور کسی بھی قسم کی تکلیف کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، حتی کہ بسا اوقات کوئی آپ سے آکر اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا تو آپ اس سے کہتے کہ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ میری وجہ سے کسی کو دوزخ میں نہ ڈالے۔ اور پھر آپ کہتے کہ کسی کو میرے پاس آنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں نے سب کو

معاف کردیا ہے۔

۵- آپ طلبہ لا برس خیال رکھتے تھے، آپ طلبہ کی دلجوئی کی خاطر انکے مناسبات میں شرکت کرتے، انکے احوال کا پتہ لگاتے، حتی کہ طلبہ کے خانگی پریشانیوں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے، حتی کہ طلبہ کو جو بھی ضرورت پڑتی آپ اسکے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے خواہ وہ مالی ضرورت ہو، علمی ضرورت ہو یا جاہ ومقام کی ضرورت ہو۔ اوراسکی وجہ سے طلبہ آپ سے بیحد محبت کرتے تھے۔

* وفات حسرات:

آخری عمر میں آپ کی طبیعت اس قدر نڈھال ہوگئی کہ آپ صاحب فراش ہو گئے اور تقریبا ایک سال تک صاحب فراش رہے، یہاں تک کہ ۲۶ / شعبان ۱۴۱۶ھ کو بروز بدھ صبح کے وقت آپ کی روح پرواز کرگئی۔ ظہر کے بعد مسجد نبوی میں آپ کا جنازہ ہوا اور بقیع غرقد میں مدفون ہوئے۔ جہاں طلبہ اور علماء کی ایک امنڈتی بھیڑ تھی، دعا ہیکہ اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے اور مسلمانوں میں آپ کا اچھا بدل عطا کرے۔



مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد ألا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله صلى الله وسلم عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا۔

أما بعد:

یہ رسالہ جو ہمارے سامنے ہے، حجم میں تو چھوٹا ہے مگر علم ومعنی کے اعتبار سے بہت عظیم ہے، رسالے کا نام "ثلاثۃ الاصول وادلتھا" ہے، جسکے مصنف شیخ محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ ہیں، ہمارے بہت سارے طلبہ کی رغبت تھی کہ جس طرح اسکے متن کو پڑھتے اور یاد کرتے ہیں اسکے معنی مطلب کی تشریح بھی ہونی چاہئے اور ساتھ ہی اسکی تحقیق اور دعوت بھی۔ دعا ہیکہ رب العالمین ہمیں اخلاص وعمل کی توفیق عطا فرمائے۔

شرح کے آغاز سے قبل میں مولف رحمہ اللہ کی مختصر سوانح بتانا چاہتا ہوں، گرچہ مولف رحمہ اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں مگر چونکہ کسی عظیم شخصیت کی کتاب کی شرح لکھ وقت اسکا تعارف کرانے کی ایک عادت جاریہ ہے اسی لئے میں بھی مختصر تعارف پیش کرنے کی سعادت حاصل

کر رہا ہوں۔

* ولادت اور نشو ونما

آپ نجد کے علاقے عیینہ میں ۱۱۱۵ھ کو پیدا ہوئے، آپ اپنے والد کی گود میں پلے بڑھے، آپ کے والد قاضی شہر تھے، آپ نے دس سال سے قبل ہی قرآن پاک حفظ کرلیا، بارہ سال کی عمر میں آپ بالغ ہو گئے اور آپ کے والد نے دیکھا کہ آپ امامت کرانے کے اہل ہو چکے ہیں، تو آپ کو ایک مسجد کا امام بنا دیا اور اسی سال یعنی بارہ سال کی عمر ہی میں آپ کے والد نے آپ کی شادی کر دی۔

شیخ بڑے ہی ذہین وفطین تھے، یہی وجہ ہے کہ ایک طرف آپ اپنے والد سے فقہ حنبلی کی کتابیں پڑھتے تھے اور دوسری طرف آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور آپ کے شاگرد علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتابیں بھی مطالعہ کرتے تھے۔

پھر آپ نے حصول علم کیلئے باہر جانے کا ارادہ کیا کیونکہ آپ جس ماحول میں رہتے تھے وہاں طرح طرح کی جاہلیت پھیلی ہوئی تھی ،لوگ درختوں، جنوں اور قبروں تک کی پرستش کرتے تھے، بلکہ عام لوگ بالکل اسی طرح سے زندگی گزار رہے تھے جیسے لوگ دور جاہلیت میں تھے، حالانکہ علماء موجود تھے، جسے آپ دیکھ کر بہت برا محسوس کرتے تھے لیکن چھوٹا ہونے کی وجہ سے کسی سے کچھ نہیں کہتے تھے۔

بہر حال آپ طلب علم کی خاطر نکلنے کا ارادہ کیا، سب سے پہلے آپ مکہ مکرمہ حج کیلئے گئے، پھر مدینہ آئے اور اور وہاں طلب علم کیلئے رک گئے، اور اللہ کے فضل سے جہاں آپ کی ملاقات اہل

حدیث عالم شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف آل سیف سے ہوئی جو اصلا نجد کے تھے اور مدینہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اور مسجد نبوی میں نمایاں مدرسین میں شمار ہوتے تھے، آپ نے شیخ کے اندر جب علمی تڑپ اور ذہانت دیکھی تو دیگر نمایاں مدرسین کے پاس بھی لے گئے جیسے کہ شیخ محمد حیات سندھی، شیخ عجولی اور شیخ احسائی وغیرہ۔

آپ ابھی نوجوان تھے، سب سے پہلے آپ نے علم حدیث پر ترکیز کیا چنانچہ آپ نے کتب ستہ کی پڑھائی اسی طرح مسند شافعی وغیرہ بھی پڑھ لی، وہاں رہ کر جب آپ دیکھتے کہ لوگ جاہلانہ طریقے سے قبر نبوی پر آکر سلام کرتے ہیں تو اس تعلق سے اکثر مشائخ سے سوال کرتے، تو وہ اسے جاہلی امور کہہ کر ٹال دیتے تھے، ایک بار آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ قبر نبوی کو چوم رہے ہیں اور چمٹ رہے ہیں تو آپ نے شیخ محمد حیات سندھی کے پاس آکر کہا کہ شیخ! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟! تو شیخ نے کہا: (إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ) ترجمہ: یہ لوگ جس کام میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے چلے آرہے ہیں۔(الأعراف: ۱۳۹)۔

شیخ نے اس طرح ایک آیت پڑھ کر آپ کو خاموش کر دیا، بہر حال آپ یہ سمجھ گئے کہ یہ سارے کام مشائخ کے یہاں بھی مستنکر ہیں لیکن انہیں منع کرنے پر کوئی قادر نہیں ہے۔

اس طرح آپ یہاں پر ایک مدت تک رہ کر بہت سارے مشائخ سے تعلیم حاصل کی اور سند اجازہ لیکر واپس چلے گئے، پھر آپ نے سنا کہ بصرہ میں شیخ مجموعی نام کے ایک بڑے عالم رہتے ہیں جو علم نحو اور حدیث میں معروف ہیں چنانچہ آپ نے بصرہ کا سفر کیا اور شیخ سے ملاقات ہوئی

جہاں آپ نے علوم عربیہ اور علوم حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

وہیں پر شیخ نے محسوس کیا کہ اب دعوت و اصلاح کا کام ہونا چاہیئے گرچہ ابھی کبار علماء کی صف میں نہیں پہونچے تھے بلکہ ابھی آپ طالب علم ہی تھے، سو آپ نے اپنے بعض ساتھیوں اور اساتذہ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا، اور قبر پرستی پر نکیر کرنے کے تعلق سے آپ نے مشائخ کے پاس خطوط لکھے، یہاں تک کہ آپ بصرہ میں معروف ہو گئے حتی کہ آپ کے استاذ شیخ مجموعی بھی آپ سے بڑے متاثر ہوئے کیونکہ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر شاگرد پڑھائی میں تیز اور محنتی ہوتا ہے تو استاذ بھی متاثر ہو جاتا ہے جیسا کہ امام شافعی کے بارے میں آتا ہیکہ آپ نے ایک بار اپنے شاگرد امام احمد سے کہا کہ آپ مجھ سے علم حدیث میں زیادہ ماہر ہیں، اگر اس تعلق سے کوئی حدیث اور علم حاصل ہو تو مجھے بھی خبر کر دیا کریں، اسی طرح شیخ مجموعی بھی شیخ محمد بن عبدالوھاب سے متاثر ہو گئے تھے۔

بصرہ میں آپ کی سرگرمیوں کو دیکھ کر صوفیوں کی جاہلیت جوش میں آگئی اور انہوں نے امیر بصرہ سے شکایت کر کے وہاں سے آپ کو نکلوا دیا، چنانچہ آپ وہاں سے پیدل نکلنے پر مجبور ہوئے اور راستے میں بڑی تکلیفوں کا سامنا ہوا، قریب تھا کہ آپ پیاس کی وجہ سے فوت ہو جائیں گے، مگر اللہ نے ایک شخص کی مدد فراہم کی اور اسکے ساتھ آپ سفر کرنے لگے۔ بصرہ سے آپ سیدھا احساء آئے جہاں آپ نے ایک شافعی عالم سے علوم حاصل کیا۔

وہاں سے آپ ملک شام گئے لیکن وہاں کے مشائخ کا نام نہیں ملتا ہے، بہر حال آپ نے حصول علم کی خاطر حجاز، شام عراق اور مشرقی علاقوں کا سفر کیا، اور علمی استفادہ کے ساتھ ساتھ

مسلمانوں کی دینی حالت کا بھی جائزہ لیا۔

اور بالآخر آپ نے فیصلہ لیا کہ اب اپنے وطن جا کر دعوت کا کام شروع کیا جائے، سو آپ حریملاء آئے اور عملی پیمانے پر دعوت کا کام شروع کر دیا لیکن بدعات وخرافات کے رسیا اہل باطل اور شر پسندوں کو یہ کام اچھا نہ لگا اسی لئے آپ کو یہاں بھی بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، کچھ بدقماشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا گیا قریب تھا کہ وہ آپ کو جان سے ہی مار دیتے۔ مگر آپ متنبہ ہو گئے اور شہر کو چھوڑ دیا، پھر وہاں سے اپنی آبائی بستی عیینہ چلے گئے، امیر عیینہ نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا، اور شیخ نے کہا کہ ہماری دعوت اسلامی دعوت ہے، جو صبر کا متقاضی ہے، اس راہ میں تکلیفیں آئیں گی، تو کیا آپ صبر کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ امیر شہر نے کہا کہ ان شاء اللہ ضرور کوشش کریں گے۔ اور یقیناً اس نے صبر کا مظاہرہ کیا اور اس کے ساتھ رہ کر کافی تبدیلی آئی بہت سے منکرات کا خاتمہ ہوا بطور خاص ان درختوں کو گرا دیا گیا جبکہ پرستش کی جاتی تھی۔

یہاں تک کہ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک خاتون سے زنا کا ارتکاب ہو گیا، اس نے آ کر اعتراف کیا اور حد نافذ کرنے کا مطالبہ کیا، چنانچہ شیخ نے اس پر حد نافذ کر دیا۔ اس کے بعد علاقے میں شیخ کی شہرت عام ہو گئی، اور یہ خبر دور دور تک پھیل گئی، امراء نجد کو یہ اچھا نہیں لگا، لوگ آپ کو مطوع کہتے تھے، اور اسکے کہنے لگے کہ یہ مطوع کہاں سے آ گیا ہے جو دین میں نئی نئی باتیں بتا رہا ہے، بالآخر تمام امراء نے امیر عیینہ پر سختی کی اور کہا کہ اگر اس مطوع کو شہر سے نہیں نکال دیتے تو تمہارے ساتھ بہت برا سلوک ہو گا۔

چنانچہ مجبوراً شیخ کو وہاں سے نکلنا پڑا، وہاں سے آپ سیدھا درعیہ گئے، درعیہ پہونچ کر ابن

سویلم کے گھر گئے، امیر درعیہ محمد بن سعود کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی، تو وہ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ ابن سویلم کے گھر آپ کی زیارت کیلئے پہونچ گئے، اور آپ سعود کے پورے گھرانے نے آپ کو یقین دلایا کہ وہ آپ کا ہر طرح سے تعاون کریں گے اور میدان دعوت میں شیخ کا ساتھ دیں گے۔ گویا انہوں نے اپنے لئے شیخ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ لیا۔

بہر حال شیخ نے امیر درعیہ کو بھی وہی باتیں بتلائیں جو آپ نے امیر عیینہ سے بتلائی تھیں کہ دعوت کے میدان میں بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ یہ عام دعوت ہے، جاہلیت کی کوئی بھی رسم نہیں باقی رہے گی، اس طرح یہ سال دعوت محمدیہ کی تجدید کا سال ٹھہرا۔

امیر درعیہ تیار ہو گئے اور شیخ کی دعوت کا ساتھ دینے کیلئے ہاتھ بڑھا دیا، پھر دونوں نے ملکر درعیہ کے اندر عملی میدان میں کام کرنا شروع کیا، اس طرح درعیہ دعوت محمدیہ کا مرکز عام بن گیا، طالبان علوم نبویہ کے شیدائی دور دور سے یہاں آنے لگے، شیخ نے مختلف خطوں اور شہروں کے امراء اور اعیان شہر کے پاس اصلاحی خطوط ارسال فرمانے لگے، جن میں آپ ائمہ اربعہ اور صحابہ کرام سے متعلق اپنا موقف واضح کیا، اور یہ بھی بتلایا کہ آپ جس منہج اور طریقے کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ انہیں صحابہ اور ائمہ دین یعنی سلف صالحین کا منہج اور طریقہ رہا ہے، آپ اپنی طرف سے کوئی نیا طریقہ پیش نہیں کر رہے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی آپ اسماء وصفات کے باب میں، اولیاء وصلحاء کے کرامات ہے باب میں اور وسیلے کے باب میں نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں اپنا موقف بھی واضح کرتے تھے۔

دراصل آپ کے خلاف کچھ شرپسندوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ آپ نئے مذہب کا پرچار

کر رہے ہیں، اور اس مذہب کا نام انہوں نے وہابیہ رکھ دیا تھا، حتی کہ آپ کی دعوت کے خلاف اہل باطل نے متعدد کتابیں اور رسالے چھاپ دیئے تھے، اور یہ پروپیگنڈہ کر دیا تھا کہ یہ دعوت ائمہ اربعہ کے خلاف ہے، یہ لوگ اولیاء وصلحاء سے دشمنی کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اور دیگر کئی الزامات لگا کر لوگوں میں پھیلا دیا تھا۔

مگر شیخ نے بھی اسی نہج پر باطل پرستوں کا جواب دیا چنانچہ آپ نے بھی کتابیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ کر اپنا موقف واضح کیا اور لوگوں میں پھیلانا شروع کر دیا جس سے باطل پرستوں کے باطل پروپیگنڈوں کی پوری قلعی اتر گئی، اور دھیرے دھیرے خطے میں حق ظاہر ہونے لگا، اور لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہونے لگے، یہاں تک کہ آپ کی دعوت کا اثر دور دور تک پہونچ گیا جہاں کے بارے میں کوئی گمان ہی نہیں تھا۔ چنانچہ افریقی ممالک سے ہندوستان اور یورپ و امریکہ کے ممالک تک یہ دعوت پہونچ گئی۔ اور سعودی عرب کے اندر مدارس میں آپ کی کتابیں نصاب تعلیم میں شامل ہوگئیں۔

آج بھی ہم ادھر ادھر اسی دعوت حقہ کے خلاف باطل پرستوں کی آواز سنتے رہتے ہیں مگر یہ انکی مذبوحی حرکت ہے، اللہ کے فضل سے اس دعوت کا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔

اللہ نے یہ مقدر کر دیا ہیکہ یہ دعوت پوری دنیا میں عام ہوگی، چنانچہ عام ہوئی اور ہر جگہ پھیل گئی اور ان شاء اللہ تا قیامت یہ دعوت باقی رہے گی، کیونکہ یہ دعوت علم شریعت اور عقیدہ صحیحہ کے ساتھ ہے سو اپنے ساتھ ایم ضخیم علمی ورثہ لئے ہوئے ہے۔

اور جو رسالہ ہمارے سامنے ہے اصول اسلام کے تین عظیم اصولوں پر مشتمل ہے:

پہلا اصول: بندے کا اپنے رب کی معرفت۔

دوسرا اصول: دین اسلام کی معرفت دلائل کی روشنی میں۔

تیسرا اصول: بندے کا اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت۔

دعا ہیکہ اللہ تعالی ہمیں غلطیوں سے بچائے، دین متین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے اس عمل کو اپنی رضا کیلئے خالص بنائے، نیز قول وعمل میں سدھار پیدا کرے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اعْلَمْ رَحِمَكَ اللهُ أنه يجب علينا تعلم أربع مسائل.

(الأُولَى) الْعِلْمُ وَهُوَ مَعْرِفَةُ اللهِ، وَمَعْرِفَةُ نَبِيِّهِ، ومعرفة دين الإسلام بالأدلة. (الثانية) العمل به.

ترجمہ: یہ بات اچھی طرح جان لیں - اللہ آپ پر رحم فرمائے - کہ ہمارے لیے چار مسائل سے واقف ہونا ضروری ہے:

پہلا مسئلہ: حصول علم یعنی اللہ تعالیٰ، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے دین یعنی اسلام کو دلائل کے ساتھ جاننا۔

الشرح:

شیخ کا یہ خطاب ہر قاری اور ہر سامع کیلئے ہے، بلکہ ہر اس شخص کیلئے ہے جو بھی اس خطاب کا اہل ہے۔

شیخ نے کہا: (یہ بات اچھی طرح جان لیں - اللہ آپ پر رحم فرمائے - کہ ہمارے لیے چار مسائل سے واقف ہونا ضروری ہے۔ یعنی ہم تمام مسلمانوں پر واجب ہے؛ اسلئے کہ رسالے کا مضمون صرف طلبہ ہی کیلئے خاص نہیں ہے بلکہ اسکا جاننا اور سیکھنا ہر مسلم مرد اور عورت پر واجب

ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (پہلا مسئلہ: حصول علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری ہے)۔

علم کو یہاں پر معرفت سے تعبیر کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالی کی معرفت ہے، اور معرفت عام ہے علم کے مقابلے، جبکہ علم خاص ہے ایسی چیز کے مقابلے جس میں پہلے جہالت نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے علم کو اللہ کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ معرفت کو اللہ کے حق میں استعمال نہیں کیا جاتا ہے، اس لئے کہ معرفت میں پہلے جہالت ہوتی ہے یعنی معرفت کہتے ہیں دراصل ایسی چیز کے ادراک کو جسکی جانکاری پہلے نہ ہو۔

اس طرح مخلوق کے حق میں علم اور معرفت دونوں کو استعمال کیا جائے گا جب کہ اللہ کے تعلق سے صرف علم استعمال کیا جائے گا، اسی لئے شیخ نے علم کی تفسیر معرفت سے کی ہے۔

سو بندوں پر واجب ہیکہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کریں، اسکے اسماء وصفات کے ذریعے، اسکی نعمتوں کے ذریعے، اس کی آیتوں، نشانیوں اور کائناتی مظاہر کے ذریعے: ایسی معرفت جس سے احکام شریعت واجب ہوتی ہے، اللہ کا مراقبہ اور اسکی خشیت نیز اللہ محبت پیدا کرتی ہو، کیونکہ اللہ کی محبت ہی ایمان کی روح ہے، اگر بندے کا دل اللہ کی محبت سے خالی ہو جائے تو اسکی حیثیت بلا روح کے ایک مردہ جسم ہوگی۔

اور اللہ کی معرفت محض دعوے سے نہیں ہوتی ہے بلکہ مذکورہ تمام معانی بلکہ ان سے بھی زیادہ معانی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، انہیں میں توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات بھی داخل ہیں، اللہ کی خبروں کی تصدیق، آسمانی کتابوں پر ایمان، جنت و دوزخ پر

ایمان اور اسی طرح وہ تمام غیبی امور شامل ہیں جن پر ایمان لانا واجب ہے۔ یہ سب اللہ کہ معرفت میں داخل ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت)۔

یعنی ایسی معرفت جو آپ کو ان تمام امور کی تصدیق پر ابھارے جنکی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، جو آپ کی اطاعت پر ابھارے، اتباع سنت پر ابھارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص متابعت پر ابھارے بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے سامنے کسی کے قول کو ترجیح نہ دیں، سو جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو دوسروں کے اقوال سے معارض بتاتے ہیں اور بسا اوقات دوسروں کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں دراصل وہ جس قدر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہونی چاہئے انکے پاس وہ معرفت نہیں ہے، کیونکہ جسے یہ معرفت ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے رسول ہیں جنکی اطاعت واجب ہے نافرمانی نہیں کی جاسکتی، آپ اللہ کے بندے ہیں آپ کی پرستش نہیں کی جاسکتی، آپ نبی ہیں آپ کی تکذیب نہیں کی جاسکتی، پھر یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ وہ آپ کے قول سے دوسروں کے اقوال کو معارض دکھائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر دوسروں کے آراء واقوال کو ترجیح دے یا وہ یہ دعوی کرے کہ بعض احادیث اسکے وضعی قواعد کے خلاف ہیں، اور مجھے نہیں معلوم کہ یہ لوگ ایسے قواعد لاتے کہاں سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالفت ہوتے ہیں؟!

چنانچہ اصول وقواعد جو بھی ہوں اگر وہ کتاب اللہ اور سنت رسول سے ماخوذ ہوں گے جیسے کہ یہ تین اصول، تو وہ مقبول ہوں گے، اور وہ تمام اصول وقواعد جنہیں کچھ لوگ اپنی طرف سے وضع

کرتے ہیں اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے مخالف ہوتے ہیں تو وہ بہرصورت مردود ہوں گے، اور یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر معرفت نہیں رکھتے ہیں جتنا ضروری ہے، کیونکہ اگر شرعی محبت نہیں ہے فقط ذاتی محبت اور شخصی محبت ہے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور یہ ایسی چیز ہے جسے ہر مسلمان جانتا ہے، ورنہ تو مکہ کے بعض کفار ومشرکین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور امانت کو جانتے تھے اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تعظیم کرتے تھے مگر شرعی اعتبار سے آپ کی اتباع نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی شرعی محبت کرتے تھے، اسی لئے انکے اس موقف نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہونچایا جیسے کہ ابوطالب وغیرہ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت میں یہ بھی شامل ہیکہ آپ اپنے جان ومال اور اہل وعیال سب کے مقابلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت کریں، اور صرف اللہ کی ذات ہے جس سے صرف ذاتی طور پر محبت کی جائے گی البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت ہے وہ اللہ کی خاطر ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہی کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اللہ نے رسالت عامہ کیلئے منتخب فرمایا ہے، اور یہ بہت ہی باریک فرق ہے جسکا جاننا ہر طالب علم پر ضروری ہے کہ اللہ کے بعد جس سے بھی محبت کی جائے گی اسکی محبت اللہ کی خاطر ہوگی، البتہ اللہ کی محبت ذاتی ہوگی، بایں طور کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اگر اللہ کی خاطر نہ ہو بلکہ ذاتی ہو قرابت داری کی وجہ سے یا اس وجہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت عبقری تھی، تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا جس طرح کہ ابوطالب کی محبت کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اور اسی طرح ان مستشرقین کی محبت کا بھی کوئی فائدہ نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبقری شخصیت کی وجہ سے آپ سے محبت

کرتے ہیں اس لئے نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس مفہوم اور فرق کا جاننا طلبہ کیلئے ضروری ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور اس کے دین یعنی اسلام کو دلائل کے ساتھ جاننا)۔

ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ) ترجمہ: بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ (آل عمران: ١٩)۔ چنانچہ رسولوں کو جو بھی دیکر بھیجا گیا وہ اسلام ہے؛ نوح علیہ السلام جو بھی لیکر آئے وہ اسلام ہے اسی طرح ابراہیم علیہ السلام جو بھی لیکر آئے وہ اسلام ہے لیکن اسلام بطور دین کے غلبہ کے طور پر استعمال ہونے لگا اس شریعت پر جسے خاتم النبین، امام المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے، اسی لئے اب جب بھی اسلام کا لفظ بولا جاتا ہے تو فوراً ذہن اسی دین کی طرف جاتا ہے جسے لیکر آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں لیکن تحقیقی اور تفصیلی طور پر اسکا مفہوم یہی ہیکہ اسلام اسی دین کو کہتے ہیں جسے دیکر اللہ نے نوح علیہ السلام سے لیکر خاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام رسولوں کو مبعوث کیا ہے۔

اسلئے ہم پر اسی دین کی معرفت واجب ہے جسے لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، اسی سے تمام رسولوں کی اور وہ جو دین لیکر آئے سب کی معرفت حاصل ہو جائے گی، اور اسی سے تمام رسولوں سے محبت اور انکی تصدیق کی جائے گی، اس طرح دین محمد ہی کو ان سب کیلئے اصل کی حیثیت حاصل ہے۔

اور جہاں تک دور حاضر کے بدعات وخرافات کا تعلق ہے جسے لوگوں نے دین کے نام پر ایجاد کرلیا ہے اور انہیں بھی اسلام سے جوڑ دیا ہے جیسے کہ محفل میلاد، ختمہ، ذکر جماعی وغیرہ، چنانچہ

ان سب کا نام انہوں نے دوسرے مفہوم میں لیا ہے، سو جب یہ اسلامی ذکر کہتے ہیں تو اس سے شرعی ذکر مراد نہیں لیتے ہیں بلکہ اس سے اپنا وہ خاص ذکر مراد لیتے ہیں جسے وہ اپنی خصوصی مجلسوں میں انجام دیتے ہیں اسکے لئے یہ کسی خاص محفل میں اکٹھا ہوتے ہیں اور پھر مفرد لفظ جلالہ (اللہ، اللہ، اللہ) کے زریعے ذکر کرتے ہیں، وہ شرعی طریقے پر ذکر و اذکار نہیں کرتے ہیں، چنانچہ یہ تکبیر وتہلیل اور تسبیح واستغفار مشروع طریقے پر نہیں پڑھتے ہیں، بلکہ اپنے ایجاد کردہ طریقے پر پڑھتے ہیں اسی کو یہ مجلس ذکر کہتے ہیں، اور یہی انکے یہاں دین ہے، جو اس پر نکیر کرے گویا انکے یہاں وہ دین پر نکیر کر رہا ہے۔

اسی طرح یہ کچھ بدعتی امور انجام دیتے ہیں جسے تہلیل کہتے ہیں، اسی طرح ختم قرآن کے وقت کچھ بدعتی امور انجام دیتے ہیں، اس کے علاوہ بزرگوں سے استغاثہ کرنا، انہیں پکارنا، انکی قبروں کا طواف کرنا، انکے لئے نذر ماننا اور اسے وسیلہ کہنا، ان سب کو یہ دین کہتے ہیں۔

اگر کوئی ان سارے بدعات کو اسلام کہے تو یہ گمراہی اور جہالت ہوگی لوگوں کے عقیدے اور دین کے ساتھ کھلواڑ ہوگا، حقیقی اسلام اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا اور اس کی اطاعت کرنا اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنا ہے، اور یہ سب اسی وقت مقبول ہوگا جب یہ سنت نبوی کے طریقے پر انجام پائے گا، اسلئے کوئی بھی عمل اگر اسکی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عمل سے دلیل نہ ہو تو اسے اسلام نہیں کہیں گے، گرچہ رسمی طور پر اعلان کر دیا جائے کہ وہ اسلام ہے۔

اور دلائل کے ذکر سے مراد یہی ہیکہ ان تمام امور کو ہم دلیلوں کی روشنی میں جانیں گے، اسلئے کہ کوئی بھی علم کا عمل اگر بغیر دلیل کے ہوگا تو اسے محض دعوی کہیں گے اور ہر دعوی محتاج

دلیل ہے، اور دلیل صرف قال اللہ اور قال الرسول یا اجماع صحابہ کو کہتے ہیں۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(الثانية) العمل به.

(الثالثة) الدعوة إليه.

(الرَّابِعَةُ) الصَّبْرُ عَلَى الأَذَى فِيهِ۔

وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: بسم الله الرحمن الرحيم ﴿وَالْعَصْرِ - إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ - إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ [العصر: ١-٣]

قال الشافعي رحمه الله تَعَالَى: لَوْ مَا أَنْزَلَ اللهُ حُجَّةً عَلَى خَلْقِهِ إلا هَذِهِ السُّورَةَ لَكَفَتْهُمْ.

ترجمہ: دوسرا مسئلہ: حاصل کردہ علم پر عمل پیرا ہونا۔

تیسرا مسئلہ: علم وعمل کی طرف لوگوں کو بلانا۔

چوتھا مسئلہ: علم وعمل اور ان کی طرف دعوت دینے کی راہ میں درپیش پریشانیوں پر صبر کرنا۔

اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔زمانے کی قسم! بے شک انسان سرتاسر نقصان میں ہے۔سوائے ان لوگوں کے، جو ایمان لائے، نیک عمل کیے اور (جنھوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کیا(العصر)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر اللہ اپنی مخلوق پر بطور حجت صرف اسی ایک سورت کو نازل فرماتا، تو یہ کافی ہوتی۔"

الشرح:

شیخ نے کہا: (اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے)۔

یعنی ان چاروں مسائل پر دلیل جن کا سیکھنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے، اور وہ دلیل یہ چھوٹی سی سورت ہے جسے تقریبا ہر مسلمان یاد رکھتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم {وَالْعَصْرِ - إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ - إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ} ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ زمانے کی قسم! بے شک انسان سرتا سر نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے، جو ایمان لائے، نیک عمل کیے اور (جنھوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔ (العصر)۔

یہ سورت چاروں مسائل کو شامل ہے جسکی تفصیل ان شاء اللہ آنے والی ہے۔

اللہ نے فرمایا: (وَالْعَصْرِ): یہاں پر واو قسم کیلئے ہے، اور مقسم بہ العصر یعنی زمانہ ہے، اللہ ہی کیلئے حکمت بالغہ ہے ان تمام چیزوں میں جنہیں اس نے پیدا کیا ہے، اور ان تمام احکام دین میں جنہیں اس نے اپنے فیصلے سے مشروع کیا ہے، وہ حکمت والا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ)

ترجمہ: وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔(الانبیاء: ۲۳)۔

چنانچہ اللہ تعالی اپنی مخلوقات میں جسکی چاہتا ہے اکثر قسم کھاتا ہے، لیکن اللہ نے آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں خبر دی ہیکہ ہم صرف اللہ کے سوا کسی دوسرے کی قسم نہیں کھا سکتے، چنانچہ بندوں کیلئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی قسم کھائیں، یہ استدلال کرتے ہوئے کہ چونکہ اللہ نے زمانے کی قسم کھائی ہے اسی طرح رات اور دن کی قسم کھائی ہے پھر آخر ہم کیوں نہیں کھا سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہیکہ تم اللہ کے بندے ہو، اور بندہ اپنے آقا کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے، اور تمہارا آقا اللہ تعالی ہے، جس نے اپنی نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری طرف بھیجا ہے جنہوں نے تمہیں یہ خبر دی ہیکہ تم اللہ کے سوا کسی کی قسم نہیں کھا سکتے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ وَعُمَرُ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا، فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصْمُتْ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چند سواروں میں اور وہ قسم کھا رہے تھے اپنے باپ کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا ان کو اور فرمایا: ”خبردار رہو اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو اپنے باپ دادا کی قسم کھانے

سے۔ پھر جو کوئی تم میں سے قسم کھانا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔" (یعنی قسم ہی نہ کھائے ضرورت کیا ہے) (صحیح مسلم: ۱۶۴۶)۔

چنانچہ ایک بندے کیلئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ کی قسم کھانے خواہ وہ کتنا ہی اشرف کیوں نہ ہو، حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کوئی قسم نہیں کھا سکتا اور نہ ہی بیت اللہ کی، اور نہ ہی کسی نبی، رسول فرشتہ یا ولی کی، اسی طرح نہ ہی جمادات کی قسم کھانا جائز ہے البتہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں جسکی چاہے قسم کھا سکتا ہے جسکی حکمت صرف وہی جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عصر یعنی زمانے کی قسم کھائی ہے جس سے یا تو زمن نبوت مراد ہے؛ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے میں اپنے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری اور عام رسالت دیکر بھیجا ہے، جبکہ پہلے ہر رسول اپنی قوم کی طرف اور اپنی قومی زبان کے ساتھ آتا تھا، اور اس کی رسالت موقت ہوتی تھی، اور اللہ کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ رسالت کب ختم ہوگی، گرچہ لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عام رسالت کے ساتھ بھیجا ہے جو تا قیامت باقی رہے گی، سو اللہ نے اسی زمن نبوت کی قسم کھائی ہے تا کہ اسکی اہمیت اور مقام کو واضح کرے۔

یا یہاں عصر سے مراد نماز عصر ہے؛ کیونکہ راجح قول کے مطابق یہی صلاۃ وسطی ہی ہے جو کہ دیگر نمازوں پر ممتاز ہے، اور جس وقت کہ رات اور دن کے فرشتے اکٹھا ہوتے ہیں، اور یہ معنی فجر کی نماز میں بھی پایا جا سکتا ہے اسی لئے صلاۃ وسطی کے تعلق سے اختلاف ہے کہ اس سے فجر کی نماز مراد ہے یا عصر کی؟ جس میں اکثر محققین علماء نے عصر کی نماز کو راجح کہا ہے۔

یا یہاں عصر یعنی زمانہ سے مراد عام زمانہ ہے؛ تا کہ سابق اور لاحق تمام زمانے اس میں

شامل ہو جائیں، اور اللہ تعالی کی اس میں حکمت ہے وہ زمانے کی قسم کھا سکتا ہے خواہ اس میں یہ زمانہ مراد ہو یا وہ زمانہ۔

آگے اللہ تعالی نے فرمایا: (إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ) : ترجمہ: بے شک انسان سرتاسر نقصان میں ہے۔

یعنی نوع انسانیت پوری کی پوری خسارے اور ہلاکت میں ہے، اس نوعیت اور جنس سے وہی لوگ نکلیں گے جنہیں اللہ نے خسارے سے بچا رکھا ہے، جیسے انبیاء اور دیگر نیک بندے جو درج ذیل صفات سے متصف ہیں:

پہلی صفت: ایمان، جیسا کہ فرمایا: (إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا) ترجمہ: سوائے ان لوگوں کے، جو ایمان لائے۔

یہ قرآن کا اعجاز ہے، کیونکہ اس مختصر جملے کے اندر ایمان کے تمام معانی شامل ہیں یعنی جو ایمان لائے اللہ پر، اس کی ربوبیت، اس کی الوہیت اور اسکے اسماء وصفات کے ساتھ، اسکے فرشتوں پر اسکی کتابوں اور رسولوں پر۔ اس طرح بندہ اپنے رب کی معرفت، اپنے نبی کی معرفت اور اسی طرح اپنے دین اسلام کی معرفت حاصل کرے گا۔

دوسری صفت: شیخ نے کہا: (دوسرا مسئلہ: حاصل کردہ علم پر عمل پیرا ہونا)۔

بندہ جب مذکورہ تینوں اصولوں کو جان لے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اسی علم کے مطابق عمل کرے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ) ترجمہ: اور جنہوں نے نیک عمل کیے۔

نئ عمل اس عمل کو کہتے ہیں جو اللہ کیلئے خالص اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو، اس میں عبادات، احکام اور دیگر اعمال سب شامل ہیں، حتی کہ معیشت، سیاست اور اخلاق وآداب بھی عمل صالح میں شامل ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (تیسرا مسئلہ: علم وعمل کی طرف لوگوں کو بلانا)۔

علم وعمل کے بعد اسلام کی طرف دعوت کا مسئلہ آتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ) ترجمہ: اور (جنھوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی۔

اور حق متعدد نہیں ہے، بلکہ یہاں حق سے مراد وہی شریعت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں، چنانچہ لوگ ایک دوسرے کو حق کی دعوت دیتے ہیں، یعنی عقیدے کی تصحیح، عبادات کی تصحیح اور معاملات کی تصحیح کی دعوت دیتے ہیں، اس طرح وہ شریعت کو عبادات اور احکام شریعت سے لیکر معیشت، سیاست اور تمام اعمال میں لاگو کرتے ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (چوتھا مسئلہ: علم وعمل اور ان کی طرف دعوت دینے کی راہ میں درپیش پریشانیوں پر صبر کرنا)۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) ترجمہ: اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔

چنانچہ جس نے علم حاصل کیا، اس پر عمل کیا پھر اسکی طرف دعوت بھی دی، اب اس پر واجب ہیکہ وہ تکلیفوں پر صبر بھی کرے؛ اسلئے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اپنے تمام معاملات اور عبادات میں نافذ کرتا ہے اسکے لئے ضروری ہے کہ تکلیف بھی دیا

جائے اور اسے آزمایا بھی جائے، لیکن اللہ تعالی اپنے بندوں پر مہربان ہے، جب اسے بندے کی طرف سے اسکے ایمان میں مضبوطی اور پائیداری دیکھتا ہے تو اسی قدر بڑی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، اور اسکے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ آزمائش میں کندن بن جائے اور اسکے درجات بلند ہو جائیں، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ سَعْدٍ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: " الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ، فَالْأَمْثَلُ، فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ ".

ترجمہ: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: "انبیاء و رسل پر، پھر جو ان کے بعد مرتبہ میں ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں، بندے کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے، اگر بندہ اپنے دین میں سخت ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کے دین کے مطابق مصیبت بھی ہوتی ہے، پھر مصیبت بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے، یہاں تک کہ بندہ روئے زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا"۔ (سنن ترمذی: ۲۳۹۸)۔

لیکن جب اللہ تعالی اپنے بندے کے ایمان میں نرمی اور کمزوری دیکھتا ہے تو اس پر نرمی کرتا ہوئے اس کی آزمائش کو بھی ہلکا اور نرم کر دیتا ہے، جیسے آج ہمارا حال ہے، چنانچہ آپ پہلے

کے انبیاء اور مصلح داعیوں کو دیکھیں اور آج اپنی حالت کو دیکھیں، پہلے کے لوگوں کو اللہ نے بڑی سختی سے آزمایا کیونکہ انکے ایمان میں سختی اور مضبوطی تھی اور آج ہم پر آزمائش کو کم کر دیا ہے کیونکہ ہمارے ایمان میں بھی کمی اور کمزوری پیدا ہو چکی ہے، سو اللہ تعالی اپنے بندوں پر مہربان اور انکی حالت کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر اللہ اپنی مخلوق پر بطور حجت صرف اسی ایک سورت کو نازل فرماتا، تو یہ کافی ہوتی")۔

یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دقت نظری اور وسعت فہم پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ایک جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ) ترجمہ: اللہ تعالی جس کی بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۰۳۷)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ (یہ سورت انکے لئے کافی ہوتی)۔

کیونکہ اس سورت کے اندر دین کے اصول اور فروع سب شامل ہیں، اس سورت نے کچھ نہیں چھوڑا ہے، اللہ اسکے نبی اور اسکے دین کی معرفت سب کو شامل ہے، تمام اعمال کو شامل ہے، دعوت دین اور اس راہ میں آنے والی پریشانیوں پر صبر کرنے کو بھی شامل ہے، چنانچہ جب اللہ تعالی اپنے بندے کو اس سورت کا فہم عطا کرتا ہے تو وہ امام شافعی کی طرح اسے سمجھ لیتا ہے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَقَالَ البُخَارِیُّ رحمہ اللہ تعالی:

(بَابُ) " العِلْمُ قَبْلَ القَوْلِ وَالْعَمَلِ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ} [محمد: ١٩]۔ فَبَدَأَ بِالْعِلْمِ قَبْلَ القَوْلِ وَالعَمَلِ ".

ترجمہ: اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "اس بات کا بیان کہ علم کی ضرورت قول وعمل سے پہلے ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿سو (اے نبی!) آپ جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں۔ (محمد: ١٩) یہاں اللہ نے قول وعمل سے پہلے علم کا ذکر کیا ہے۔"

الشرح:

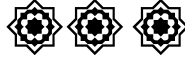
یہ اس بات کی دلیل ہیکہ علم کا بڑا مقام ہے، اور یہ کہ عبادت کرنے والا اسی وقت عبادت شروع کرے جب وہ اسکی جانکاری حاصل کرلے، اور ایک واعظ، معلم اور مرشد عمل کے میدان میں اسی وقت آئے جب وہ علم وبصیرت حاصل کرلے، یعنی ایک داعی پر واجب ہیکہ وہ دعوت دینے سے قبل علم حاصل کرے، اور ایک ناصح لوگوں کو نصیحت کرنے سے قبل علم حاصل کرے اور ایک معلم لوگوں کو تعلیم دینے سے قبل علم حاصل کرے اور جس چیز کا علم نہ ہو تو اسکے تعلق سے

معذرت کرلے اور" واللہ اعلم" کہہ دے۔

اور جہاں تک اس عابد کا تعلق ہے جو جہالت کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور علم سیکھنے سے اعراض کرتا ہے، مگر پہلی صفوں کو لازم پکڑے، مسجد میں پہلے جائے تو جان لیں کہ اس پر شیطان کا غلبہ ہے بایں طور کہ شیطان نے اسے دین سیکھنے سے دور کردیا ہے، چنانچہ جو لوگ عبادت میں محنت کرتے ہیں مگر دین سیکھنے سے اعراض کرتے ہیں، اپنی باتوں پر جامد رہتے ہیں، اور جہالت پر مبنی اپنی عبادت پر دھوکے میں ہیں، ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہیکہ ہم انہیں نصیحت کریں اور انکی جہالت کو ختم کریں۔

میں یہ بات اسلئے کہہ رہا ہوں تاکہ ان نیک عمل کرنے والوں کو معلوم ہوجائے جو جہالت میں مبتلا ہیں، اور انہیں پہلی صفوں میں دیکھ کر بہت سے لوگ انہیں طالب علم سمجھ بیٹھتے ہیں، اور ان سے سوال اور فتوی پوچھنے لگتے ہیں اور وہ بھی اپنی جہالت کی بنیاد پر جواب بھی دینے لگتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا، اس طرح وہ جہالت کی بنیاد پر فتوی دیکر خود گمراہ ہوتے ہیں اسے دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر واجب ہیکہ وہ طلب علم کیلئے کچھ وقت خاص کریں اسے عبادت کیل ئے کچھ وقت خاص کریں اور یہ جان لیں کہ شرعی علم کا حصول نفلی عبادت سے افضل ہے، اسلئے کہ عبادت کی کئی قسمیں ہیں، عبسفگ صرف نماز ہی نہیں ہے، جنازے میں شرکت کرنا اور پہلی صفوں خو لازم پکڑنا ہی نہیں ہے بلکہ اسکی کئی شکلیں ہیں، اس لئے بندے پر ضروری ہیکہ وہ تمام عبادتوں پر دھیان دے، اور ان میں جو زیادہ اہم ہو اسی کو مقدم کرے، چنانچہ وہ سب سے پہلے شرعی علم حاصل کرے کیونکہ اس سے عبادت کرنا آسان ہوجائے

گا، عبادت میں چاشنی ملے گی ورنہ جہالت کی بنیاد پر عبادت بندے کو کوئی فائدہ نہیں پہونچائے گی۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(اعْلَمْ) رَحِمَكَ اللهُ أَنَّه يَجِبُ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ تَعَلُّمُ هَذِهِ الثَّلاثِ مَسَائِل والْعَمَلُ بِهِنّ.

(الأُولَى) أَنّ اللهَ خَلَقَنَا وَرَزَقَنَا وَلَمْ يَتْرُكْنَا هَمَلا بَلْ أَرْسَلَ إِلَيْنَا رَسُولاً فَمَنْ أَطَاعَهُ دَخَلَ الجَنّةَ وَمَنْ عَصَاهُ دَخَلَ النّارَ. وَالدّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِنّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا - فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا} [المزمل: ١٥ - ١٦]

سورة المزمل آية ١٥، ١٦.

ترجمہ: آپ یہ بات بھی اچھی طرح جان لیں-اللہ آپ پر رحم فرمائے-کہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر تین مسائل کی جانکاری حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا، روزی دی اور پھر یوں ہی بے کار نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ہماری طرف اپنا رسول بھیجا۔اب جو اس رسول کی اطاعت کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو اسکی نافرمانی کرے گا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔اس کا ثبوت اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: بے شک ہم نے تمھاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا ہے، جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی، پس ہم نے اسے سخت (وبال کی) پکڑ میں پکڑ لیا۔ (سورہ المزمل آیت:١٦)۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (آپ یہ بات بھی اچھی طرح جان لیں- اللہ آپ پر رحم فرمائے)۔

یہ شیخ کا اپنا اسلوب ہے، پہلے کے لوگ اس طرح کا اسلوب استعمال کرتے تھے، اور یہ خطاب ہر اس شخص سے کیا جاتا ہے جو علم و معرفت کا حامل ہوتا ہے، یعنی اے طالب علم، یا اے وہ شخص جس کے اندر علم و معرفت کی استطاعت ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (ہر مسلمان مرد اور عورت پر تین مسائل کی جانکاری حاصل کرنا ضروری ہے)۔

یہاں پر مسائل ثلاث کی صفت ہے، اور موصوف صفت دونوں معرفہ ہیں۔ اور تمام مسلمانوں پر تین دن مسائل کا سیکھنا ضروری ہے۔

آگے شیخ نے تینوں مسائل کی تفصیل نقل کی ہے: (پہلا مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا، روزی دی اور پھر یوں ہی بے کار نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ہماری طرف اپنا رسول بھیجا)۔

یہ دراصل اصول اسے قاعدے جیسا ہے، جس کے اندر توحید کی معرفت ہے، اسی کو توحید علم و معرفت کہتے ہیں، یعنی بندے کو یہ معرفت ہوتی ہیکہ اللہ ہی نے اسے پیدا کیا ہے، وہی اسے روزی دیتا ہے، اسے چوپایوں کی طرح بیکار میں چھوڑ دیا کہ وہ صرف کھائے پیئے، بلکہ اسے مشرف بنایا بایں طور کہ اس کی طرح رسول بھیجا جو کہ اسی کے جنس سے ہے، وہ کوئی فرشتہ یا جنات نہیں ہے، تاکہ اس سے وحشت نہ ہو، اسکی اچھی تربیت کی ہے، اور پھر اس عظیم رسالت کیلئے اسے تیار کیا ہے، پھر اس رسول نے آ کر لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی، یہی اس کا فرض منصبی ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اب جو اس رسول کی اطاعت کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا)۔

جہاں تک بغیر عذاب کے پہلی فرصت میں جنت میں جانے کا تعلق ہے تو اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا جیسے کہ وہ ستر ہزار لوگ جو بلا حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے، یا وہ لوگ جن پر دوزخ میں جانا مقدر ہو جائے گا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے انہیں جنت میں ڈال دیا جائے گا یا وہ لوگ جنکی نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جائیں گی اور اسکے حق میں دوزخ میں جانا مقدر ہو جائے گا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے انہیں بھی جنت میں ڈال دیا جائے گا یا وہ لوگ جو دوزخ میں جا چکے ہوں گے گناہوں کی تطہیر کی خاطر مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے انہیں نکال کر جنت میں ڈال دیا جائے گا یا دوسروں کی شفاعت پر، یا پھر محض ارحم الراحمین کے رحم وکرم کی وجہ سے اسے جنت میں ڈال دیا جائے گا۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت کے اعتبار سے لوگ متفاوت ہوں گے، جس طرح کہ اللہ اور اسکے رسول کی محبت اور اطاعت میں لوگ متفاوت ہوتے ہیں، اور یہ سب اللہ کے اولیاء یعنی اسکے نیک بندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ البتہ سب کے درجات الگ الگ ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (اور جو اسکی نافرمانی کرے گا، وہ جہنم میں داخل ہوگا)۔

یا تو عیاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا جیسے کہ وہ کفر اکبر، شرک اکبر یا نفاق اعتقادی کا مرتکب ہو، یا پھر وہ تطہیر کیلئے دوزخ میں جائے گا جب اسکے گناہ مذکورہ تینوں گناہوں سے کمتر ہوں گے۔

اس عظیم مسئلے پر دلیل اللہ کا یہ قول ہے:(إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا[15] فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا) ترجمہ: بے شک ہم نے تمھاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا ہے، جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی، پس ہم نے اسے سخت (وبال کی) پکڑ میں پکڑ لیا۔(المزمل:١٦)۔

رسول دو بار نکرہ استعمال ہوا ہے جس میں پہلے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سے موسی علیہ السلام مراد ہیں، جبکہ تیسری بار معرفہ وارد ہوا ہے جس سے بعینہ دوسرے رسول یعنی موسی علیہ السلام ہی مراد ہیں، یعنی وہی معہود رسول جو فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے۔

اور آخر میں فرمایا کہ ہم نے اسے سخت (وبال کی) پکڑ میں پکڑ لیا۔یعنی فرعون کو جب اس نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی، جو اسے سختی سے پکڑ لیا، اسی طرح تم بھی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرو گے تو سختی سے پکڑے جاؤ گے اور دنیا و آخرت ہر جگہ عذاب دیئے جاؤ گے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(الثَّانِيَةُ) أَنَّ الله لا يَرْضَى أَنْ يُشْرَكَ معه في عبادته أحد لا مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا} سورة الجن آية ١٨.

ترجمہ: دوسرا مسئلہ: اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی عبادت میں کسی کو اس کا ساجھی ٹھہرایا جائے۔ چاہے وہ اللہ کا کوئی قریب ترین فرشتہ یا اس کا بھیجا ہوا نبی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿اور مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ سورہ الجن آیت: ۱۸

الشرح:

جب اللہ کو یہ پسند نہیں ہے کہ اس کی عبادت میں کوئی اسکا شریک ہو خواہ وہ کوئی مقرب فرشتہ ہو جیسے جبریل علیہ السلام، یا نبی مرسل ہو جیسے کہ سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تو اللہ اس بات کو بھی نا پسند کرے گا کہ جبریل علیہ السلام کو پکارا جائے یا ان سے استغاثہ کیا جائے یا جبریل علیہ السلام یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب حاصل کرنے کیلئے ذبیحہ کیا جائے، اور جب ان دونوں کا حال یہ ہے تو پھر دوسروں کا کیا ہوگا؟ اور باب اشراک سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے شرک کرنے میں کوئی تفریق نہیں ہے خواہ اللہ کے ساتھ کسی اچھے بندے کو جیسے کسی فرشتے اور نبی کو شریک کیا جائے گا یا برے بندے کو کسی جن وشیطان کو شریک کیا جائے یا شجر وحجر کو شریک کیا جائے، ان تمام شرکیات میں

کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے اسکے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

یہ وہ معانی ہیں جن کے اندر بعد میں بہت سے تبدیلی آچکی ہے، اور بہت سے مجددین اور جاہل باطل پرستوں نے اللہ اور اسکے رسول کے حق میں اور نیک بندوں کے حق میں کیا فرق ہے اس سے بالکل جاہل ہیں، وہ سب کو اس طرح خلط ملط کر پیش کرتے ہیں کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ بندوں پر اللہ کے کیا حقوق ہیں؟ اور مومنوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں کیا حقوق و واجبات ہیں؟ اسی طرح میں بندوں کے تئیں مومنوں پر کیا حقوق ہیں؟ ان تمام معانی میں تبدیلی آچکی ہے، اس لئے طلبہ پر ضروری ہیکہ وہ ان معانی کی تجدید و اصلاح کیلئے اپنا کردار ادا کریں، خواہ وہ کہیں بھی ہوں، اور آج ہماری دعوت یہی تصحیح کی دعوت ہے: یعنی عقیدے اور عبادت کی تصحیح۔

اسلئے دعوت دین کو صرف غیر مسلمانوں تک ہی محدود نہ کیا جائے کہ انہیں دین کی طرف دعوت دیکر خاموش ہو جائیں بلکہ ضروری ہیکہ مسلمانوں کے اندر بھی اصلاحی کام کیا جائے بایں طور کہ عقیدے، عبادت اور احکام و معاملات اور اقتصاد و سیاست وغیرہ میں جو غلطیاں اور تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں انکی اصلاح کی جائے۔ گرچہ ساتھ میں کچھ لوگ غیر مسلمانوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دینے کی زمہ داری نبھاتے رہیں، بطور خاص ان غیر مسلموں کو جو کہ ہم ملکوں میں کام وغیرہ کیلئے وارد ہوتے ہیں، اور ایسے لوگ مسلمانوں کے بیچ میں بڑی تعداد میں رہتے ہیں، بلکہ بہت سے لوگ مسلمانوں کے بیچ میں رہ کر اسلام کی بہت ساری خوبیوں کو پہچان گئے ہیں، اسی لئے ہم

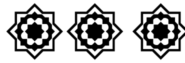
اکثر دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے لوگ ایمان بھی لے آتے ہیں اور یہی بنیادی دعوت ہے جب کہ پہلی دعوت تصحیح کی دعوت ہے، اور ضروری ہیکہ ہم دونوں میدان میں کام کریں۔

اور دوسرے مسئلے پت بطور دلیل کے شیخ نے اللہ کا یہ قول پیش کیا ہے: (وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا} ترجمہ: اور مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ سورہ الجن آیت: ۱۸

لفظ" احد" نکرہ ہے، نہی یا نفی کے سیاق میں وارد ہوا ہے، اور نکرہ جب نہی، نفی یا استفہام انکاری کے سیاق میں وارد ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے، آس طرح آیت کا مفہوم یہ ہیکہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی نہ پکارو خواہ وہ کوئی بھی ہو، اور اللہ کے ساتھ کسی سے بھی استغاثہ نہ کرو خواہ وہ کوئی نبی، فرشتہ یا کوئی نیک بزرگ شخص ہی کیوں نہ ہو، یہ سب اللہ ہی کے بندے ہیں، سب اسی کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اسکے عذاب سے ڈرتے ہیں اس لئے ان سے نہ تو استغاثہ کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں پکارا جائے گا اور نہ ہی انکے لئے ذبیحہ اور نذر و نیاز کیا جائے گا بلکہ ان سب سے اللہ کی خاطر محبت کی جائے گی اور انکی محبت کو تقرب الہی کا ذریعہ سمجھا جائے گا کیونکہ میں بندوں کی محبت ایسا صالح عمل ہے جسکے ذریعے تقرب الہی کو حاصل کیا جاتا ہے۔

سو ان سے محبت کرنا الگ چیز ہے اور انہیں پکارنا، ان سے استغاثہ کرنا اور انکے لئے ذبیحہ اور نذر و نیاز کرنا بالکل الگ چیز ہے، اللہ کی خاطر ان سے محبت کرنا اطاعت اور نیکی ہے جبکہ اللہ کے ساتھ ساتھ اسی طرح ان سے بھی محبت کرنا شرک ہے، چنانچہ جب آپ ان سے اس لئے محبت کریں گے کہ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں تو یہ صالح عمل ہوگا جو کہ تقرب الہی کا ذریعہ سمجھا جائے گا

لیکن اگر اسی محبت میں غلو کرتے ہوئے اللہ کی طرح محبت کرنے لگیں گے اور انکے ساتھ خالق جیسا برتاؤ کریں گے بایں طور کہ انہیں پکارنے لگیں گے ان سے استغاثہ کرنے لگیں گے اور انکے نام پر پناہ مانگیں گے اور کہیں گے: اے فلاں میری فریاد رسی کر دے   جس طرح اللہ کو پیارے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ میری مدد فرما، تو یہی شرک اکبر ہو جائے گا، والعیاذ باللہ۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(الثَّالِثَةُ) أَنَّ مَنْ أَطَاعَ الرَّسُولَ وَوَحَّدَ اللهَ لا يجوز له موالاة من حاد الله وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانَ أَقْرَبَ قَرِيبٍ.

وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تعالى: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [المجادلة: ٢٢].

ترجمہ: تیسرا مسئلہ: جس نے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کی اور اللہ کی وحدانیت و یکتائی کو تسلیم کیا، اس کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ ایسے لوگوں سے ولا کا ناطہ رکھے، جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی رکھتے ہوں؛ خواہ وہ کتنے قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے۔ گو وہ ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی طرف سے بھیجی ہوئی وحی اور الٰہی نصرت و ربانی احسان سے کی ہے اور جنھیں ان جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے

خوشک ہیں ۔ یہ الٰہی لشکر ہے۔ آگاہ رہو، بے شک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں ۔سورہ المجادلہ آیت: ۲۲

الشرح:

شیخ نے کہا:(تیسرا مسئلہ: جس نے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کی اور اللہ کی وحدانیت و یکتائی کو تسلیم کیا، اس کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ ایسے لوگوں سے ولا کا ناطہ رکھے، جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی رکھتے ہوں؛ خواہ وہ کتنے قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں)۔

اور جو یہ دعوی کرے کہ وہ موحد ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع وفرمانبردار ہے، اگر اسکا یہ دعوی صحیح ہوتا تو ضرور اس کا یہ دعوی اسے اللہ کے دشمنوں سے محبت کرنے سے روک دیتا، اور ان لوگوں سے بھی دوستی کرنے سے باز رکھتا جو اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرتے ہیں خواہ وہ اس کا کوئی قریبی ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ باپ یا اولاد۔

سو اگر کوئی اللہ اور اسکے رسول پر ایمان کے دعوے میں سچا ہے اور اس نے دیکھا کہ اسکا کوئی قریبی اللہ اور اسکے رسول سے دشمنی کر رہا ہے اور کفر وعناد پر ڈٹا ہوا ہے تو اس پر ضروری ہیکہ وہ اس سے قتال اور قتل کرے جیسا کہ بعض صحابہ کے ساتھ پیش آیا تھا، اور اس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے:(لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ) ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے

محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے۔گو وہ ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔(المجادلہ: ۲۲)۔

یہاں ضروری ہیکہ ہم کچھ حقائق کو اچھی طرح سمجھ لیں تا کہ ایسا نہ ہو بعض نوجوان کچھ غلط قدم اٹھا بیٹھیں، تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کفار کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: حربی کافر:

اس سے وہ کافر مراد ہے جس سے مسلمانوں سے دشمنی اور جنگ چل رہی ہو، یعنی وہ مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں ہو، تو ایسے کافر سے قتال کرنا واجب ہے، اس سے کسی صورت میں موالات اور دوستی کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اسکی مجاملت اور خاطر ومدارات کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ حربی کافر ہے، اور اسی جانب اللہ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(المائدہ: ۵۱)۔

دوسری قسم: غیر حربی کافر:

اس سے ذمی، معاہد یعنی امان یافتہ کافر مراد ہے، اس سے قتال اور قتل کرنا بالکل جائز نہیں ہے، اسکی مجاملت اور خاطر ومدارات کر سکتے ہیں البتہ اسکی مداہنت نہیں کر سکتے، دنیوی معاملات میں لین دین کر سکتے ہیں، جیسے کہ خرید و فروخت کرنا، قرضہ لینا، اسلحہ خریدنا، یا انہیں

سامان فروخت کرنا، بشرطیکہ وہ غیر محارب ہوں، اسی طرح سے وہ کفار جن کے مسلمانوں سے معاہدہ ہوتو معاہدہ کے دوران یہ سارے معاملات کرسکتے ہیں۔

لیکن طالب علم کیلئے ضروری ہیکہ وہ معاملہ اور موالات کے فرق کو سمجھ لیں، چنانچہ موالات قلبی محبت کو کہتے ہیں اور یہ کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی کافر سے قلبی محبت کرے خواہ وہ کوئی بھی ہو، اس طرح کی محبت بالکل حرام ہے، لیکن اگر کافر غیر حربی ہے تو پھر اسکے ساتھ دنیاوی معاملات اور خاطر ومدارات کرسکتے ہیں، اور اگر کسی کافر کے بارے میں آپ یہ محسوس کریں کہ وہ حربی کافر نہیں ہے مگر حربی کافر کا معاون اور مددگار ہے تو ایسی صورت میں اگر آپ کے پاس طاقت ہے تو اسے بھی حربی کافر سمجھتے ہوئے اس سے جنگ کریں بصورت دیگر تیاری میں لگے رہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ) ترجمہ: تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو۔ (الانفال:۶۰)۔

ایسا نہ ہو کہ ہم ان سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور ہمارے پاس کوئی تیاری ہی نہ ہو، تو اسے کوئی بہادری نہیں کہتے ہیں، بلکہ یہ محض جذباتی جوش ہے، جس کا نتیجہ ہلاکت ہے، اسلئے جنگ اور قتال سے قبل تیاری ضروری ہے۔

اور آج بڑے ملکوں کے ساتھ مسلمانوں کا یہی موقف ہے جیسا کہ بتاتے ہیں، کہ وہ یا تو حربی ہیں یا حربی کے حکم میں ہیں، لیکن مسلمان ان سے مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں، کیونکہ انکے پاس کوئی

خاص تیاری نہیں ہے، اسلئے مسلمانوں پر ضروری ہیکہ وہ سب سے پہلے اسلحہ کی فیکٹری بنائیں تا کہ کافروں کا مقابلہ کرسکیں، لیکن اگر ہم صرف ماچس، مکرونہ اور بسکٹ کی فیکٹریوں تک محدود رہیں گے اور اسلحہ سازی کی فیکٹری نہیں بنائیں گے تو ہماری عاجزی اور کمزوری باقی رہے گی، حالانکہ مادی اور نفری کسی اعتبار سے بھی ہم کمزور نہیں ہیں بلکہ ہماری کمزوری ایک طاقت والے کی کمزوری کی طرح ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

ولم أر فی عیوب الناس عیباً

کنقص القادرین علی التمام

ترجمہ: میں نے لوگوں کے عیوب میں سے اس سے بڑا کوئی عیب نہیں دیکھا، کہ ایک کام کو اچھی طرح مکمل کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے ناقص و ناتمام چھوڑ جاتے ہیں۔

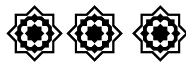
یہی ہماری عاجزی ہے، اسلئے ہمیں چاہئے کہ ہم تیاری شروع کردیں، اور بلا تیاری اپنے جان کو جوکھم میں نہ ڈالیں، کہ دشمن ہمارے بچے کچھے اصل جڑ ہی کا خاتمہ کردے اور ہمارے پاس انکے مقابلے کی کوئی تیاری ہی نہ ہو۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ ہمیں چاہئے کہ ہم ایک حربی اور ذمی کافر میں فرق رکھیں، آج گرچہ ذمی کافر نہیں پایا جاتا ہے مگر معاہد اور امن یافتہ کافر اور اسی طرح وہ کافر جسکا مسلمانوں سے معاہدہ ہو، پائے جاتے ہیں، چنانچہ ان سب سے خصوصی معاملہ کیا جائے گا، گرچہ اس اعتبار سے سب برابر ہیں کہ ان سے محبت اور موالات جائز نہیں ہے خواہ وہ اپنے والدین ہی کیوں نہ ہوں، اسی لئے کافر والدین کے بارے میں باقاعدہ حکم وارد ہوا ہے اللہ کی طرف سے کہ اگر ایسا ہو تو پھر ہم انکے ساتھ

کس طرح کا معاملہ اور سلوک کریں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ)

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کروں گا۔ (لقمان: ۱۵)۔

چنانچہ اگر وہ اولاد کو کفر یا شرک یا اللہ اور اسکے رسول کی معصیت کی طرف بلائیں تو ایسی صورت میں انکی اطاعت جائز نہیں ہوگی، لیکن اس کی وجہ سے معروف طریقے سے انکے ساتھ رہنے، انکے ساتھ حسن سلوک کرنے اور بھلائی کرنے کی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا یہ عمل انکے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بن جائے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(اعْلَمْ) أَرْشَدَكَ اللهُ لِطَاعَتِهِ أَنَّ الْحَنِيفِيَّةَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ وَحْدَهُ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ! وَبِذَلِكَ أَمَرَ اللهُ جَمِيعَ النَّاسِ وَخَلَقَهُمْ لَهَا كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاريات: ٥٦] وَمَعْنَى يَعْبُدُونِ: يُوَحِّدُونِ.

وَأَعْظَمُ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ التَّوْحِيدُ، وَهُوَ إِفْرَادُ اللهِ بِالْعِبَادَةِ.

وَأَعْظَمُ مَا نَهَى عَنْهُ الشِّرْكُ وَهُوَ دَعْوَةُ غَيْرِهِ مَعَهُ وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ [النساء: ٣٦]

ترجمہ: آپ یہ بات بھی بخوبی سمجھ لیں- اللہ اپنی طاعت و بندگی کی طرف آپ کی رہ نمائی کرے- کہ حنیفیت یعنی ملت ابراہیمی سے مراد یکسو ہو کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ اسی کا حکم اللہ نے تمام لوگوں کو دیا ہے اور اسی کے لیے انھیں پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: اور میں نے جن وانس کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اور "يَعْبُدُونِ" کے معنی ہیں: میری توحید کا اقرار کریں۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان میں سب سے بڑی اور اہم چیز توحید ہے، جس کے معنی ہیں صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا۔

اسی طرح اللہ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان میں سب سے بڑی اور اہم چیز شرک ہے، جس کے معنی ہیں اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنا۔ دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿اللہ کی

عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔(النساء:۳۶)۔

الشرح:

شیخ نے کہا:(آپ یہ بات بھی بخوبی سمجھ لیں -اللہ اپنی طاعت و بندگی کی طرف آپ کی رہ نمائی کرے)۔

یعنی اے طالب علم یا وہ شخص جو حصول علم کی استطاعت رکھتا ہے وہ یہ جان لے۔

آگے شیخ نے کہا:(کہ حنیفیت یعنی ملت ابراہیمی)۔

ملت ابراہیم یا تو حنیفیہ سے بدل ہے یا پھر عطف بیان ہے،گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حنیفیت ہی ملت ابراہیمی ہے۔

آگے شیخ نے کہا:(حنیفیت یعنی ملت ابراہیمی سے مراد یکسو ہو کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے)۔

یہی ملت ابراہیمی ہے اور ان سب کا ملت ہے جو آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سے رسول آئے،کیونکہ آپ ابو الانبیاء ہیں۔

آگے شیخ نے کہا:(اسی کا حکم اللہ نے تمام لوگوں کو دیا ہے،اور اسی کے لیے انھیں پیدا کیا ہے)۔

اور اس حکم پر مصنف نے جس آیت سے استدلال کیا ہے وہ اللہ کا یہ قول ہے:(وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) ترجمہ:اور میں نے جن وانس کو صرف اسی لیے

پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔(الذاریات:۵۶)۔

یہاں ضروری ہیکہ مدلول اور مدلول علیہ کے درمیان تطبیق دی جائے، یہاں پر مدلول یہ حکم ہیکہ (اسی کا حکم اللہ نے تمام لوگوں کو دیا ہے، اور اسی کے لیے انھیں پیدا کیا ہے)۔

جبکہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہیکہ اللہ نے جن وانس کو پیدا کیا ہیکہ تا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔اس طور پر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی عبارت اس طرح ہوتی کہ (اسی کا حکم اللہ نے تمام انس وجن کو دیا ہے، اور اسی کے لیے انھیں پیدا کیا ہے)۔تا کہ دلیل اور مدلول علیہ دونوں میں تطبیق ہو جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) ترجمہ:اور میں نے جن وانس کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔(الذاریات:۵۶)۔

آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے انس وجن کو اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اسے ایک جانیں اور اس کی معرفت حاصل کریں۔

آگے شیخ نے کہا:(اور"يَعْبُدُ وِنِ" کے معنی ہیں:میری توحید کا اقرار کریں)۔

اس کے کئی معانی ہیں انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے، اسی طرح اہل علم نے اس کی تفسیر یہ بھی کی ہے:(تا کہ وہ میری معرفت حاصل کریں اور میری عبادت میں اخلاص پیدا کریں)، البتہ شیخ نے جو تفسیر کی ہے اس میں شمولیت پائی جاتی ہے اور شاید اسی لئے شیخ نے اس مفہوم کو اختیار کیا ہے۔

آگے شیخ نے کہا:(اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان میں سب سے بڑی اور اہم

چیز توحید ہے، جس کے معنی ہیں صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا)۔

یعنی اللہ تعالی نے بہت سارے احکام صادر کئے ہیں، ان میں سب عظیم حکم یہ ہیکہ عبادت میں اللہ کو اکیلا سمجھا جائے۔

چنانچہ توحید کی تفسیر یہاں پر یہ کی گئی کہ عبادت میں اسے اکیلا جانا جائے، اور مزید یہ بھی اضافہ کرلیں کہ ان صفات کو ثابت مانا جائے جنہیں اللہ نے اپنی ذات کیلئے ثابت کیا ہے، اور جنہیں اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے ثابت کیا ہے، اور اس کی ذات کو تمام عیوب ونقائص نیز مخلوقات کی مشابہت سے پاک رکھا جائے۔ یہ تمام چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور یہ سب کتاب وسنت کے اندر موجود ہیں۔

اور جہاں تک توحید ربوبیت کا تعلق ہے تو اسکا ذکر اسلئے کیا جائے گا تاکہ اس کے ذریعے توحید عبادت پر استدلال کیا جائے، یعنی توحید ربوبیت توحید عبادت کو مستلزم ہے؛ اور توحید عبادت توحید ربوبیت کو شامل ہے

آگے شیخ نے کہا: (اسی طرح اللہ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان میں سب سے بڑی اور اہم چیز شرک ہے، جس کے معنی ہیں اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنا)۔

کیا شرک صرف اسی کا نام ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارا جائے یا یہ اس سے بھی عام ہے؟

جواب: شرک اس سے بھی عام ہے، غیر اللہ کو پکارنا یہ ایک قسم ہے، اسی لئے شیخ نے اگر یہ کہا ہوتا: (اللہ کے ساتھ اور کی عبادت کرنا) تو زیادہ بہتر اور زیادہ شامل ہوتا، اس میں پکارنا اور نہ

پکارنا سب آجاتا، جیسے کہ ذبح کرنا اور نذر و نیاز ماننا وغیرہ، جیسا کہ شیخ نے بعد والی آیت سے استدلال کیا ہے اور وہ اللہ کا یہ قول ہے: (وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا) ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ (النساء: ۳۶)۔

یعنی اللہ کے ساتھ اس کی عبادت میں کسی چیز کو شریک نہ کرو، اس طرح یہاں پر عبادت سب کو شامل ہے خواہ وہ پکارنا ہو، استغاثہ کرنا، ذبیحہ اور نذر و نیاز کرنا ہو، یا توکل، خشیت اور رغبت وغیرہ ہو، یہ اور اس جیسی دیگر تمام عبادات اس میں شامل ہیں۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(فَإِذَا قِيلَ لَكَ) : مَا الأُصُولُ الثَّلاثَةُ التِي يَجِبُ عَلَى الإِنْسَانِ مَعْرِفَتُهَا؟

فَقُلْ: مَعْرِفَةُ الْعَبْدِ رَبَّهُ، وَدِينَهُ وَنَبِيَّهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلم.

(فَإِذَا قِيلَ لَكَ) : مَنْ رَبُّكَ؟

فَقُلْ: رَبِّيَ اللهُ الَّذِي رَبَّانِي وَرَبَّى جَمِيعَ الْعَالَمِينَ بِنِعَمِهِ وَهُوَ مَعْبُودِي لَيْسَ لِي مَعْبُودٌ سِوَاهُ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ} [الفاتحة: ٢] وكل ما سِوَى اللهِ عَالَمٌ وَأَنَا وَاحِدٌ مِنْ ذَلِكَ الْعَالَمِ.

ترجمہ: اگر آپ سے پوچھا جائے کہ وہ کون سی تین بنیادی باتیں ہیں، جن کی جانکاری رکھنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے؟

تو کہہ دیجیے: بندے کا اپنے رب، اپنے دین اور اپنے نبی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا اور پہچاننا۔

پھر: اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ کا رب کون ہے؟

تو کہہ دیجیے کہ میرا رب اللہ ہے، جس نے اپنے فضل و کرم سے میری اور تمام جہانوں کی پرورش و پرداخت کی اور سب کے لئے ضرورت کی ساری چیزیں مہیا کیں۔ وہی میرا معبود ہے، اس کے سوا میرا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ دلیل یہ ارشاد باری تعالی ہے: ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

واضح ہو کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز عالم میں داخل ہے اور میں بھی اسی عالم کا ایک حصہ ہوں۔

الشرح:

یہاں پر شیخ نے مذکورہ کلام کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا: (اگر آپ سے پوچھا جائے کہ وہ کون سی تین بنیادی باتیں ہیں، جن کی جانکاری رکھنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے؟)۔

اصول جمع ہے اصل کی، اور اصل کہتے ہیں اس چیز کو جس پر کسی کی بنیاد ہو، اور دین کے تمام واجبات کی بنیاد انہیں تینوں اصولوں پر ہے، خواہ ان واجبات دین کا تعلق نماز، زکاۃ اور حج سے ہو یا دوسرے واجبات ہوں، سب کی بنیاد یہی تینوں اصول ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (تو کہہ دیجیے: بندے کا اپنے رب، اپنے دین اور اپنے نبی یعنی محمد ﷺ کو جاننا اور پہچاننا)۔

اللہ اسکے دین اور اسکے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (پھر: اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ کا رب کون ہے؟

تو کہہ دیجیے کہ میرا رب اللہ ہے، جس نے اپنے فضل و کرم سے میری پرورش کی ہے)۔

یعنی کہہ دیں کہ میرا رب وہی ہے جسکی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ رب کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے مستحق نہیں ہے، یعنی فقط وہ خالق جو مربی ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (میرا رب اللہ ہے، جس نے اپنے فضل و کرم سے میری اور تمام جہانوں کی پرورش و پرداخت کی)۔

اسی لئے وہ عبادت کا مستحق ہے، لیکن جو نہ تو روزی سے نہ پیدا کرے نہ پرورش و پرداخت

کرے تو عبادت کے لائق نہیں ہوسکتا، بلکہ ایسے کی عبادت کرنا ظلم ہوگا۔

آگے شیخ نے کہا: (اور سب کے لئے ضرورت کی ساری چیزیں مہیا کیں)۔

نعمت کی اضافت جب اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس میں اللہ کی بہت ساری نعمتیں شامل ہوتی ہیں، یعنی میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جس نے میری اور تمام جہانوں کی پرورش و پرداخت کی ہے اپنی نعمتوں کے ذریعے جن کا کوئی شمار نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: اور اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرو تو اسے شمار نہ کر پاؤ گے۔ بے شک اللہ یقینا بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (النحل: ۱۸)۔

انہیں نعمتوں میں ایجاد و خلق کی نعمت، ہدایت کی نعمت، اسلام کی نعمت، ایمان کی نعمت اور امن وامان کی نعمت بھی ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور وہی میرا معبود ہے، اس کے سوا میرا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے)۔

یہاں اگر فائے فصیحہ کے ساتھ ہوتا تو زیادہ مناسب تھا، یعنی (پھر تو وہی میرا معبود ہے)۔ کیونکہ جب اسی نے مجھے پیدا کیا، اپنی نعمتوں سے میری اور تمام جہانوں کی پرورش کی، تو پھر وہی میرا معبود ہے، اس کے سوا میرا کوئی معبود نہیں ہے۔

(وَهُوَ مَعْبُودِي) اس میں اسناد کے دونوں اجزاء معرفہ ہیں جو حصر پر دلالت کرتے ہیں، جس کا مفہوم یہی ہیکہ میں صرف تیری ہی عبادات کرتا ہوں، اسی لئے اسکے بعد والا جملہ: (لَيْسَ لِي مَعْبُودٌ سِوَاهُ) تفسیریہ ہے۔

اور جو اسکے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرے گا وہ ظالم ٹھہرے گا، اسلئے کہ اس نے عبادت کو غیر محل میں رکھ دیا ہے، اور ظلم کہتے ہی ہیں کہ کسی چیز کو غیر محل میں رکھ دیا جائے۔

ان سب پر کیا دلیل ہے؟ شیخ نے کہا کہ: (دلیل یہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

یعنی تمام جہانوں خالق اور مربی ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (واضح ہو کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز عالم میں داخل ہے اور میں بھی اسی عالم کا ایک حصہ ہوں)۔

عالم کیا ہے؟ اللہ کے سوا ہر چیز عالم کا حصہ ہے اور میں بھی اسی عالم کا ایک حصہ ہوں، پھر اللہ ہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے؛ کیونکہ سارے عالم پر وہی اپنے فضل و کرم سے نعمتوں کی بوچھاڑ کرتا ہے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(فَإِذَا قِيلَ لَكَ) : بِمَ عَرَفْتَ رَبَّكَ؟

فَقُلْ: بِآيَاتِهِ وَمَخْلُوقَاتِهِ وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَمِنْ مَخْلُوقَاتِهِ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرَضُونَ السَّبْعُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَمَا بَيْنَهُمَا، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ} [فصلت: ٣٧] سورة فصلت آية ٣٧، وقوله تعالى: {إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ} سورة الأعراف آية ٥٤.

ترجمہ: اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ نے اپنے رب کو کس چیز کے ذریعے پہچانا؟

تو کہہ دیجیے کہ اس کی نشانیوں اور اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے ذریعے سے۔ اس کی نشانیوں میں سے رات و دن اور، چاند و سورج ہیں، جب کہ اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے اندر اور ان کے بیچ کی ساری چیزیں شامل ہیں۔ دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: اور دن رات اور سورج چاند بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو، جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمھیں اسی کی عبادت کرنی ہے۔ سورہ فصلت آیت: ۳۷۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے، پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہ رات سے دن کو ایسے چھپا دیتا ہے کہ رات دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا، ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اللہ، جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ سورہ الاعراف آیت: ۵۴۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ نے اپنے رب کو کس چیز کے ذریعے پہچانا؟)۔

یعنی وہ کون سی نشانیاں، علامتیں اور آیتیں ہیں جن سے تم نے اپنے رب کی معرفت حاصل کی ہے؟ کیونکہ اللہ اس دنیا میں پردے میں ہے وہ نہیں دکھائی دے گا، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وَلَا تَرَوْنَ رَبَّكُمْ حَتَّى تَمُوتُوا) ترجمہ: تم اپنے رب کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷)۔

اس طرح اللہ پر ایمان لانا ایمان بالغیب میں سے ہے، کیونکہ وہ آپ کہ نظروں سے غائب ہے، گرچہ وہ آپ کے پاس اپنے علم وسمع وبصر کے ساتھ ہے غائب نہیں ہے، اور یہ خاص معیت ہے یا معیت معنویہ غیر حسیہ ہے، اسی لئے بندے کو ایسی علامت اور نشانی کی ضرورت ہے جو وجود باری تعالی پر دلالت کرے، پھر وہ نشانی کیا ہے؟

اسی کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ نے کہا: (اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ نے اپنے رب کو کس چیز کے ذریعے پہچانا؟ تو کہہ دیجیے کہ اس کی نشانیوں اور اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے ذریعے سے)۔

یہ عطف خاص علی العام کے باب سے ہے، کیونکہ آیات میں تلاوت کی جانے والی اور پیدا کی ہوئی دونوں طرح کی نشانیاں شامل ہیں۔اور مخلوقات خاص ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (اس کی نشانیوں میں سے رات و دن اور، چاند وسورج ہیں)۔

یہ سب پیدا کی ہوئی آیات ونشانیاں ہیں جو وجود باری تعالی پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح اسکی قدرت وارادہ اور اسکے علم وعزت اور اسکے سمع و بصر پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (اسی طرح اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے اندر اور ان کے بیچ کی ساری چیزیں شامل ہیں)۔

چنانچہ یہ سب جس طرح ایک طرف اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں اسی طرح دوسری طرف نشانیاں بھی ہیں۔

ان نشانیوں میں اور پہلے والی نشانیوں میں کوئی فرق نہیں ہے؛ کیونکہ یہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں۔اور دلیل اللہ کا یہ قول ہے: (وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ) ترجمہ: اور دن رات اور سورج چاند بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہیں۔تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو، جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمھیں

اسی کی عبادت کرنی ہے۔(فصلت:۳۷)۔

چنانچہ وہی سجود کا مستحق ہے،اسی طرح اللہ کا یہ قول بھی ہے:(إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ) ترجمہ: بے شک تمھارا رب اللہ ہی ہے،جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے، پھر عرش پر مستوی ہوا۔وہ رات سے دن کو ایسے چھپا دیتا ہے کہ رات دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا،ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں ۔یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اللہ، جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔سورہ الاعراف آیت: ۵۴۔

ان سات آیتوں میں سے یہ پہلی آیت ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ اپنے عرش پر مستوی ہے، دوسری آیت سورہ یونس میں ہے، جب کہ تیسری آیت سورہ رعد میں، چوتھی آیت سورہ طہ میں، پانچویں آیت سورہ فرقان میں، چھٹی آیت سورہ سجدہ میں جبکہ ساتویں آیت سورہ حدید میں ہے۔ یہ ساتوں آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ اپنے عرش پر مستوی ہے اسی طرح جیسا اسکی ذات کے لائق اور زیبا ہے، اسکے علاوہ وہ دوسری آیات جو علو باری تعالی پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی استواء عرش کی دلیل ہیں، اسلئے کہ استواء بھی عرش کے ذریعے خاص علو پر دلالت کرتا ہے، اور طلبہ علو اور استواء میں فرق کرتے ہیں۔

چنانچہ استواء صفت فعلی ہے، اسی لئے اس میں تجدد ہوتا ہے، جبکہ علو صفت ذاتیہ دائمہ ہے جو ذات باری تعالی کی طرح ثابت ہے یعنی اللہ تعالی برابر اور ہمیشہ علو یعنی بلندی ہی میں رہتا ہے، حتی کہ اس وقت بھی جب وہ رات کے آخری پہر میں دنیاوی آسمان پر نزول فرماتا ہے، اور اسی اس وقت بھی جب قیامت کے روز محشر میں حساب کتاب کیلئے آئے گا، سو وہ ہمیشہ بلند و بالا مقام پر فائز ہے، کیونکہ صفت علو صفت ذاتیہ ہے جو ذات کے ساتھ دائمی اور قدیم ہے، جب کہ صفت استواء صفت فعل ہے، اور یہ خاص علو ہے، جو عرش کے ساتھ خاص ہے جبکہ صفت علو کا مطلب یہ ہیکہ اللہ کی ذات ساری مخلوق پر بلند ہے، اور ساری مخلوق سے اسکی ذات جدا بھی ہے، اس کی مخلوق میں سے کوئی چیز اس کی ذات میں نہیں ہے، اور نہ ہی اسکی ذات میں سے کوئی چیز کسی مخلوق میں ہے، اسی طرح رب باری تعالی کی معرفت ہوگی اور وہ تمام مخلوقات سے ممتاز ہوگا۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی ہر چیز میں اور ہر جگہ ہے، تو دراصل ان لوگوں نے اپنے رب کو پہچانا ہی نہیں، انہیں ضرورت ہیکہ نئے سرے سے اللہ کی معرفت حاصل کریں، اور اسے بلندی کی طرف پکاریں اور اسکے نام ہے ساتھ اسے بلندی کی طرف یاد کریں، اور اوپر کی طرف سے اس سے خوف کھائیں، اس طرح وہ اپنے رب کی معرفت حاصل کرسکتے ہیں، اس سے پہلے وہ مضطرب رہیں گے کبھی بھی اپنے رب کی معرفت حاصل نہیں کرسکتے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَالرَّبُّ هُوَ الْمَعْبُودُ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ - الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ} [البقرة: ۲۱ - ۲۲]

سورة البقرة آية ۲۱، ۲۲.

قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: الْخَالِقُ لهذه الأشياء هو المستحق للعبادة.

ترجمہ: رب سے مراد معبود ہے۔ دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو، جس نے تمھیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمھارا بچاؤ ہے۔ جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمھیں روزی دی۔ خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔ سورہ البقرہ آیت: ۲۲۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا، وہی عبادت کا حق دار ہے۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (رب سے مراد معبود ہے)۔

یہاں ربوبیت کی تفسیر عبودیت سے کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ شیخ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رب ہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ وہ رب خالق ہے، یعنی شیخ یہاں پر ربوبیت سے الوہیت پر استدلال کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ آیات میں پہلے گزر چکا ہے، ورنہ یہ معروف ہے کہ رب خالق اور مربی کے معنی میں اور الہ معبود کے معنی میں آتا ہے اور توحید ربوبیت اور توحید عبادت میں فرق ہے، لیکن ہم توحید ربوبیت سے ہمیشہ توحید عبادت پر استدلال کرتے ہیں، اور یہاں پر شیخ نے اسی کو مراد لیا ہے۔

اور دلیل اللہ کا یہ قول ہے: (اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو، جس نے تمھیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا)۔

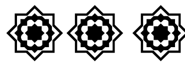
یہی وجہ استدلال ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرو، اسلئے کہ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی لئے جو خالق اور رازق نہ ہو وہ عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ - الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ) ترجمہ: اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو، جس نے تمھیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمھارا بچاؤ ہے۔ جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمھیں روزی دی۔ خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ

کرو۔سورہ البقرہ آیت: ۲۲۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو پھر اسکے ساتھ دوسروں کو اسکا ہمسر نہ بناؤ اس طرح کہ تم ان سے بھی اسی طرح محبت کرنے لگو جیسے اللہ سے محبت ہوتی ہے، اور تم انکی بھی اسی طرح عبادت کرنے لگو جیسے تم رب خالق کی عبادت کرتے ہو، کیا تم ایسے مخلوق کی عبادت کروگے جو تمہاری ہی طرح ہے، وہ نہ خالق ہے اور نہ ہی رازق؟ بلکہ اسے تو خود پیدا کیا گیا ہے، اور وہ خود رازق کا محتاج ہے اس طرح وہ خود اپنے رب کا ایک محتاج اور لاچار بندہ ہے۔

اس آیت کے بعد ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (جس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا، وہی عبادت کا حق دار ہے)۔

یہاں پر اسی چیز کو ثابت کیا ہے جسے ہم نے کہا ہے، اور یہ قرانی اسلوب ہے کہ توحید ربوبیت کے ذریعے توحید عبادت پر استدلال کرتے ہیں۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَأَنْوَاعُ الْعِبَادَةِ الَّتِي أَمَرَ اللهُ بِهَا مِثْلُ الإِسْلامِ وَالإِيمَانِ، وَالإِحْسَانِ، وَمِنْهُ الدُّعَاءُ وَالْخَوْفُ وَالرَّجَاءُ وَالتَّوَكُّلُ وَالرَّغْبَةُ، وَالرَّهْبَةُ، وَالْخُشُوعُ، وَالْخَشْيَةُ، وَالإِنَابَةُ، وَالاسْتِعَانَةُ، والاستعاذة، والاستغاثة، والذبح، والنذر، وغير ذلك من الْعِبَادَةِ الَّتِي أَمَرَ اللهُ بِهَا (كُلُّهَا للهِ)، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا} سورة الجن آية ۱۸.

ترجمہ: عبادت، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، اس کے اقسام: جیسے اسلام، ایمان، احسان اور ایسے ہی دعا، خوف، رجا، توکل، رغبت، رہبت، خشوع، خشیت، انابت (رجوع)، استعانہ (مدد طلبی)، استعاذہ (پناہ طلبی)، استغاثہ، ذبح وقربانی اور نذر ومنت اور ان کے علاوہ دیگر ساری عبادتیں یہ سب اللہ ہی کے لیے ہونی چاہییں۔ دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿اور مسجدیں اللہ کے لیں ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ سورہ الجن آیت: ۱۸۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (وَأَنْوَاعُ الْعِبَادَةِ الَّتِي أَمَرَ اللهُ بِهَا) یہاں پر (انواع) مبتدا ہے، اور اس کی خبر محذوف ہے، تقدیری عبارت (کثیرۃ) ہے۔

اسکے بعد شیخ نے کہا: (مِثْلُ الإِسْلامِ) ۔آپ اسے خبر بھی بنا سکتے ہیں، لیکن اس میں معنوی رکاکت پائی جاتی ہے، بہتر یہ ہیکہ خبر کو مقدر مانا جائے، کیونکہ خبروں کو محذوف مان کر عبارت کے اندر ایجاز پیدا کرنا ایک معروف عربی اسلوب ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (مِثْلُ الإِسْلامِ وَالإِيمَانِ، وَالإِحْسَانِ)۔

اسلام استسلام یعنی خود سپردگی کو کہتے ہیں، جس سے ظاہری اعمال مراد ہیں، لیکن جن اسلام اور ایمان کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ یہاں شیخ کے کلام میں آیا ہے اور جس طرح کہ حدیث جبریل میں دونوں ایک ہی سیاق میں وارد ہوا ہے، تو ایسی صورت میں اسلام سے ظاہری بدنی عبادات مراد ہوتے ہیں جیسے کہ نماز اور زکاۃ وغیرہ، اور ایمان سے قلبی اعمال مراد ہوتے ہیں جیسے خشیت، محبت، رضا اور مراقبہ وغیرہ، یہ سارے قلبی اعمال ایمان کی شاخیں ہیں۔

احسان ان دونوں کے مقابلے کچھ زیادہ ہی دقیق اور خاص ہے، چنانچہ سب سے زیادہ شمولیت اور عمومیت اسلام کے اندر ہے پھر ایمان کے اندر پھر احسان کے اندر۔ جیسا کہ اس کی پوری تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔

آگے شیخ نے کہا: (اور ایسے ہی دعا، خوف، رجا، توکل، رغبت، رہبت، خشوع، خشیت، انابت (رجوع)، استعانہ (مدد طلبی)، استعاذہ (پناہ طلبی)، استغاثہ، ذبح وقربانی اور نذر و منت ہے)۔

یعنی عبادات کی بہت ساری قسمیں اور شکلیں ہیں، انہیں میں سے ایک دعا بھی ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الدُّعَاءُ مُخُّ

الْعِبَادَةِ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دعا عبادت کا مغز (حاصل و نچوڑ) ہے“ (سنن ترمذی: ۳۳۷۱)۔

اور عنقریب شیخ اس سے یک استدلال کریں گے کہ دعا عبادت کا مغز اور اصل ہے، جب کہ زیادہ صحیح روایت ان الفاظ میں ہے:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ، وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ سورة غافر آية ٦٠".

ترجمہ: سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دعا عبادت ہے، تمہارا رب فرماتا ہے: مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا“ (سورۃ غافر: ۶۰)۔ (سنن ابی داود: ۱۴۷۹)۔

لیکن دونوں کا معنی ایک ہی ہے، اور مخ العبادۃ والی روایت کی سند پر بعض علماء نے گرچہ کلام کیا ہے مگر معنی کے اعتبار سے صحیح ہے، اسلئے کہ دوسری صحیح روایت اسکی تائید کر رہی ہے۔

اور دوسری روایت (هو العبادة) زیادہ قوی اس لئے بھی لگتی ہے کیونکہ اس جملے کے دونوں اجزاء معرفہ ہیں، اور علمائے بلاغہ کے نزدیک یہ حصر اور قصر پر دلالت کرتا ہے یعنی دعاء ہی عبادت ہے، اسلئے کہ دعا میں دعائے عبادت اور دعائے مسئلہ دونوں شامل ہیں، ویسے بھی ساری عبادتوں میں دعا ہے، نماز دعا ہے، زکاۃ دعا ہے، حج دعا ہے، روزہ دعا ہے، اسی کو دعائے عبادت کہتے ہیں، اور کچھ دعائے طلب و مسئلہ ہے، جیسے کہ آپ کہیں: اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم

فرما۔ یہ سب دعامیں داخل ہیں۔

اورخوف کی دوقسمیں ہیں:

ایک خوف عبادت اوردوسرا طبعی خوف۔

چنانچہ شیر سے خوف کھانااوراس سے بھاگنا، دشمن سے خوف کھانا، بسااوقات اپنے شہر سے خوف کی وجہ سے بھاگنا، کسی شرکس انسان کے خوف سے بھاگنا یہ سب طبعی خوف ہے، یہ خوف عبادت نہیں ہے، اسلئے اس کا کوئی اثر نہیں ہے، اور جہاں تک خوف عبادت کا تعلق ہے تو یہ قلبی ہوتا ہے جیسے کہ پیر طریقت سے مرید کا خوف، اسے خوف ہوتا ہیکہ کہیں ہمارے شیخ ہمارے دل کی بات سمجھ نہ لیں اورمیرا نقصان ہوجائے، میرے ایمان ودین میں یا میرے جان ومال میں۔ بلکہ بسااوقات اسے یہاں تک خوف ہوتا ہے کہ کہیں اسکا ایمان ہی سلب نہ ہوجائے، اس طرح یہ مرید اپنے پیروں اور مشائخ پر اللہ کے مقابلے زیادہ ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ کے مقابلے ان سے زیادہ خوف کھاتے ہیں، سو یہ وہی کرتے ہیں جو انکے مشائخ چاہتے ہیں گرچہ اس پر انکا رب ناراض ہوجائے، انہیں اسکی کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے، اور ساتھ ہی یہ اللہ کی وسعت رحمت سے پر اعتماد بھی ہوتے ہیں کہ اللہ ارحم الراحمین ہے وہ معاف کرے گا، شیخ کبھی معاف نہیں کرے گا اگر وہ دل کی باتوں سے مطلع ہوگیا!! آخراس اعتقاد کے ساتھ ایمان واسلام کہاں رہ جاتا ہے؟!

ہمارے یہ بات کوئی خیالی اورافسانہ نہیں ہے بلکہ یہ حقائق ہیں جو ہمارے اردگرد ممالک میں ہورہے ہیں، بہت سارے لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں، ایک مرید اپنے شیخ طریقے کے سامنے ویسے ہی بیٹھتا ہے جیسے کوئی کتا اپنے آقا کے سامنے دم دبا کر بیٹھتا ہے، خائف ہوکر زمین کی طرف

سے جھکائے ہوتا ہے، اور اپنے ہاتھوں کو دل پر رکھ لیتا ہے تاکہ دل کی باتوں کی حفاظت کر سکے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دل میں کوئی پیدا خیال پیدا ہو جائے اور شیخ کو اسکی اطلاع ہو جائے جس میں اسکی ہلاکت ہو جائے۔(احکام اھل الذمہ: ۳ / ۱۲۹۲)۔

یہی خوف عبادت ہے، چنانچہ اگر غیر اللہ سے کسی خوف کا خوف اس درجہ کو پہونچ جائے تو وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوگا گرچہ وہ نماز روزہ قائم کرتا رہے۔

اور جہاں تک رجاء اور امید لگانے کا تعلق ہے تو اس میں بھی انکا موقف اسی طرح ہوتا ہے جیسے خوف میں ہوتا ہے۔

اور توکل اللہ پر مکمل بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں، چنانچہ ایک انسان پر واجب ہیکہ ان تمام امور میں جن پر صرف اللہ ہی قدرت رکھتا ہے اس کے سوا کسی سے امید نہ رکھے، ان امور میں اسی پر بھروسہ رکھے اور اسی سے مانگے۔

اور جس طرح ہم نے خوف کو منقسم کیا ہے اس طرح توکل کی قسمیں نہیں ہیں کیونکہ غیر اللہ پر مطلق طور پر توکل کرنا جائز نہیں ہے، توکل صرف اللہ کیلئے خاص ہے۔

البتہ یہ توکل جائز اور مشروع اسباب کے اپنانے سے مانع نہیں ہے، بلکہ بندہ اسکے لئے مامور ہے، جیسے کہ حصول علم کیلئے سفر کرنا، اولاد کیلئے شادی کرنا، حصول رزق کیلئے تجارت اور زراعت اور کوئی کام کرنا لیکن یہ سب اسباب ہیں جن پر کلی بھروسہ نہیں کیا جاتا بلکہ کلی بھروسہ صرف اللہ پر کیا جاتا ہے جو ان اسباب کی کامیابی کا اصل ذریعہ اور سبب ہے۔

البتہ اسباب کو ترک کر کے صرف یہ آرزو کرنا کہ اللہ اولاد سے نوازے گا گرچہ شادی نہ

کرے، یا کوئی خاموش گھر میں بیٹھا رہے اور یہ تمنا کرے کہ وہ سب سے بڑا عالم بن جائے گا، یہ سب جھوٹی آرزوئیں ہیں جو ان ربانی سنتوں کے خلاف ہیں جو مخلوق کے اندر جاری ہیں، اسلئے کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ اللہ پر مکمل بھروسہ کیا جائے اور مشروع اسباب کو اپنایا بھی جائے، نہ کہ ان اسباب پر اعتماد کیا جائے۔

اور جہاں تک رغبت اور رہبت کا تعلق ہے تو اس میں رغبت خیر کے امور میں ہوتا ہے اور رہبت شر کے امور میں ہوتا ہے، چنانچہ رغبت اور رہبت دونوں صرف اللہ ہی کی ذات سے ہونی چاہئے۔

اور جہاں تک خشوع، خشیت اور انابت کا تعلق ہے، تو خشوع اور خشیت دونوں متقارب ہیں البتہ انابت توبہ اور رجوع الی اللہ کو کہتے ہیں، یہ سب اللہ کے ساتھ خاص ہے، خشیت اور خشوع و خضوع سب اللہ ہی کیلئے ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔

اور جہاں تک استعانت کا تعلق ہے تو اسکے دو قسمیں ہیں: ایک جائز اور دوسری ناجائز، جائز یہ ہیکہ آپ اپنے ساتھی سے کسی ایسی چیز میں مدد مانگیں جس پر وہ قادر ہو جیسے کہ گاڑی میں سامان رکھنے کیلئے مدد مانگیں، لیکن اگر آپ اپنے ساتھی سے کسی ایسی چیز میں مدد مانگ رہے ہیں جس پر وہ قادر نہیں ہے تو یہ شرک ہے، والعیاذ باللہ۔

اور استعاذہ بھی استعانہ کی طرح ہے۔

اور جہاں تک استغاثہ کا تعلق ہے تو یہ جائز ہیکہ آپ کسی انسان کی پناہ خ ین آ کر شہر میں داخل ہو جائیں تا کہ آپ کو تحفظ حاصل ہو جائے، یا آپ آگ بجھانے والوں سے استغاثہ کریں

تا کہ وہ آکر آگ بجھا دیں یا اسی طرح ان تمام امور میں استغاثہ کر سکتے ہیں جن پر بندے قدرت رکھتے ہوں، لیکن اگر ایسی چیزوں میں استغاثہ کریں گے جن پر صرف اللہ ہی قادر ہے تو یہی شرک ہے، والعیاذ باللہ۔

اور جہاں تک ذبیحے کا تعلق ہے تو اسکی دو قسمیں ہیں: ایک عام ذبیحہ اور دوسری عبادت کے طور پر ذبح کرنا۔

عام ذبیحہ: جیسے کوئی گھر پر بکری ذبح کرے کھانے کیلئے یا مہمان نوازی کیلئے، تو یہاں پر یہ ذبیحہ مراد نہیں ہے، بلکہ عبادت والا ذبیحہ مراد ہے، جسے نیکی اور تقرب الہی کی خاطر ذبح کیا جاتا ہے، جیسے کہ قربانی، ہدی اور عقیقہ وغیرہ، چنانچہ عبادت والے اس ذبیحے کو اگر کوئی غیر اللہ کی طرف پھیرتا ہے تو یہ شرک ہوگا، جیسا کہ جاہل حجاج کرتے ہیں، کہ جب وہ امن وسلامتی کے ساتھ گھر واپس پہونچ جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسکے بندوں کو اسکے نام پر کھانا کھلاتے یہ بیچارے جاہل دوڑتے ہوئے کسی مزار پر جاتے ہیں اور وہاں قبر والے کے نام پر ذبح کرتے ہیں، اسلئے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس سلامتی میں اسکے پیر کا ہاتھ ہے اسی کی وجہ سے وہ سلامتی کے ساتھ گھر واپس پہونچ گیا ہے!! پھر آخر اسکے حج کا کیا فائدہ ہوا؟! جس اللہ پر مکمل ایمان اور اعتماد ہی نہیں ہے۔

اور جہاں تک نذر و نیاز ماننے کا تعلق ہے تو بعض مسلمان ایسا کرتے ہیں کہ کھجور کے درختوں میں سے کوئی درخت اپنے پیر اور شیخ کیلئے خاص کر دیتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہی درخت دیگر سارے درختوں کی سلامتی اور تحفظ کا ذریعہ ہوگا، یا اسی طرح باڑے کے ایک چوپائے کو

شیخ کے نام خاص کر دیتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہیکہ یہی چوپایہ دیگر چوپایوں کی سلامتی کا باعث بنے گا، اور جس مال مویشی میں شیخ کیلئے کوئی نذرونیاز نہ ہوتو پھر اسکے ضیاع کا خوف کھاتے ہیں۔
ایسے لوگوں کو ضرورت ہیکہ وہ اپنے ایمان کا مراجعہ کریں اور عقیدے کی تصحیح کریں۔

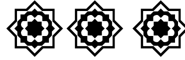
اور آج طلبہ پر یہی واجب ہیکہ وہ لوگوں کے عقائد کی تصحیح کرنے میں سرگرمی دکھائیں، کیونکہ لوگوں سے بہت ساری عقدی غلطیاں سرزد ہورہی ہیں، اور یہ غلطیاں تقریبا تمام مسلم مما لک میں کی جارہی ہیں، انکے عقائد کی تصحیح کی ضرورت ہے، اور تصحیح عقائد سے قبل انہیں معذور سمجھا جائے اور سب سے پہلے اب حجت قائم کیا جائے کیونکہ اکثر ان میں جاہل ہیں، یہ سارے اعمال یہ بزرگوں کی محبت میں کر رہے ہیں۔

ایسے لوگوں کے سامنے حق واضح نہیں ہوتا ہے، اور کفر کا حکم ان لوگوں پر لگایا جاتا ہے جن پر حق واضح ہو چکا ہو اور حجت قائم ہو چکی ہو، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے :(وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا) ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔(النساء:۱۱۵)۔

انہیں لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، لیکن حق واضح ہونے کے بعد جو لوگ اور اور اسکے کی مخالف نہیں کرتے ہیں البتہ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ حق اور ہدایت پر ہیں اور انہیں ایسے علماء اور

طلبہ بھی میسر نہیں ہوتے ہیں جو انکے سامنے حق کو واضح کریں تو میں ایسے لوگوں کو معذور سمجھتا ہوں۔

البتہ موجودہ دور کہ جہاں ہر چیز واضح ہے، میڈیا اور ذرائع وسائل کی وجہ سے علم کا حصول اور حق کی جانکاری بہت آسان ہوگئی ہے، اسلئے حق کی تلاش واجب ہوگئی ہے اور جو لوگ اب بھی جاہلیت امور میں پڑے ہوئے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ صحیح اسلام کی طرف واپس آجائیں۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فَمَنْ صَرَفَ مِنْهَا شَيْئًا لِغَيْرِ اللهِ فَهُوَ مُشْرِكٌ كَافِرٌ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ} سورة المؤمنون آية ١١٧۔

ترجمہ: چنانچہ جس نے ان میں سے کوئی بھی عبادت غیر اللہ کے لیے کی، وہ مشرک وکافر ہے۔ دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔

الشرح:

چنانچہ جس نے ان میں سے کوئی بھی عبادت غیر اللہ کے لیے کی، وہ مشرک وکافر ہے اسی تفصیل کے ساتھ جیسا کہ گزر چکا ہے کہ کس طرح پہلے حجت قائم کی جائے گی اور یہ کہ وہ لوگ حق واضح ہونے کے بعد بھی اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، البتہ اس سے پہلے تکفیر کے مسئلے میں انتظار کیا جائے گا۔

شیخ نے کہا: (چنانچہ جس نے ان میں سے کوئی بھی عبادت غیر اللہ کے لیے کی، وہ مشرک وکافر ہے)۔

شیخ کے اس بیانیے پر تھوڑا تفصیلی کلام کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اصل یہی ہیکہ ان میں سے کوئی بھی عبادت اگر کوئی غیر اللہ کے لیے کرے تو وہ مشرک و کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، لیکن کیا جو بھی ان میں سے کسی عبادت کو غیر اللہ کی طرف پھیرے وہ کافر ہو جائے گا؟ اور کیا اگر کوئی بھی کفر کا ارتکاب کرے تو وہ کافر ہوائے گا؟ اور کیا اگر کوئی بھی شرک کا ارتکاب کرے تو وہ مشرک ہو جائے گا؟ یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

جواب: ممکن ہے کوئی کفر کا ارتکاب کرے اور وہ کافر نہ ہو بلکہ دوسرا کافر ہو جائے، اور ممکن ہے کفر کا ارتکاب کیا جائے مگر اس کی وجہ سے کوئی کافر ہو اور کوئی کافر نہ ہو، کیونکہ لوگوں کے حالات وظروف اور مفاہیم مختلف ہوتے ہیں جبکہ رعایت کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ایسے ہی مقام پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے، کہ کفریہ اعمال کے ارتکاب سے کسی کی تکفیر کی جاتی ہے اور کسی کی نہیں کی جاتی ہے، ہم ایسے لوگوں کے بیچ رہتے ہیں جن کے عقائد اور اسلامی موقف کو اچھی طرح جانتے ہیں اسلئے انکے تعلق سے تفصیلی حکم ضروری ہے، کیونکہ جس پر حجت قائم ہو جائے اور اسے دلائل کی روشنی میں عقائد صحیحہ کا علم ہو اور وہ شخص جس کے سامنے ہدایت واضح نہ ہو بلکہ وہ یہ گمان کرے کہ وہ جس منہج اور طریقے پر ہے وہی اسلام ہے جسے رسول لیکر آئے ہیں، شبہات و جہالت اور ائمہ ومشائخ کی تقلید کی وجہ سے وہ شرک وتوحید کے درمیان فرق نہیں جانتا ہے بلکہ وہ اپنے پیر اور شیخ سے یہ کہتے ہوئے سنتا ہے کہ غیر اللہ کیلئے ذبیحہ کرنا، بزرگوں کیلئے نذرو نیاز ماننا، انکی قبروں کا طواف کرنا، انہیں پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا یہ سب بزرگوں دین کی محبت کی علامت ہے، اس سے توحید کو کوئی نقصان نہیں ہے اور نہ ہی سب

شرک ہے، اس طرح وہ اسے حق سمجھ بیٹھتے ہیں، تو پھر ایسے دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

ایسے لوگوں کو معذور سمجھا جائے گا یہاں تک کہ وہ ایسے شرکیہ ماحول سے نکل کر دین اسلام اور عقیدہ صحیحہ کی سچی فہم حاصل کرلیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ تفصیل نقل کرتے ہوئے درج ذیل دو آیتوں سے استدلال کیا ہے:

پہلی آیت: ارشاد باری تعالی ہے:(لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا) ترجمہ: اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق، اسی کے لیے ہے جو اس نے (نیکی) کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے (گناہ) کمایا، اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔(البقرہ:۲۸۶)۔

دوسری آیت: ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا) ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔(النساء:۱۱۵)۔

سو جس پر حق اور ہدایت واضح نہ ہو، اور نہ ہی وہ جان بوجھ کر اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرے بلکہ وہ یہ گمان کرے کہ اسکے پاس جو ہے وہی حق ہے اور جو وہ کر رہا ہے وہی درست اور ہدایت ہے جسے لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں، تو ایسے شخص کہ سامنے پہلے حق کو واضح کرنے کی ضرورت ہے، لیکن وضاحت کے بعد اگر وہ ہٹ دھرمی سے کام لے اور اپنے عادات وتقالید کیلئے تعصب کرے تو پھر اس حجت کے قیام کے بعد اس پر کافر اور مشرک کا حکم لگایا جائے گا۔

لہذا اس ماحول میں اس تفصیل کی ضرورت ہے، کیونکہ جو لوگ شرک اکبر کا ارتکاب کرتے ہیں اگر آپ انہیں اللہ کی عظمت کی یاد دلائیں گے، اور انکے سامنے جنت و دوزخ کا ذکر کریں گے اور انہیں وعد و وعید کے نصوص کو سنائیں گے تو انہیں آپ کافی متاثر پائیں گے، ایسا لگے گا کہ انکا دل ابھی فساد کا شکار نہیں ہوا ہے کیونکہ وہ غلطی پر ہیں وہ راستہ بھٹکے ہوئے ہیں، وہ جس بھی راہ پر ہیں اسی کو حق سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کو معذور سمجھا جائے گا یہاں تک کہ حق واضح کر دیا جائے۔

آگے شیخ نے کہا: (دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔

الہ یعنی معبود سے یہاں معبود برحق اور معبود باطل دونوں مراد ہو سکتے ہیں، لیکن لفظ جلالہ (اللہ) کا اطلاق صرف برحق معبود پر ہوتا ہے جو زمین اور آسمانوں کا خالق ہے، چنانچہ اللہ کے سوا کسی کی بھی پرستش کی جائے خواہ وہ شجر و حجر ہو، انس و جن ہو، شمس و قمر ہو یا کوئی قبر ہو لغوی طور پر اسے معبود کہیں گے، یعنی جس کی لوگ پرستش کریں خواہ وہ برحق ہو یا باطل، اسی لئے کلمہ توحید لا

الہ الا اللہ کے اندر ایمان اور کفر دونوں شامل ہے، (لا الہ) سے کفر وانکار ہے ان تمام چیزوں کی جنکی اللہ کے ماسوا پرستش کی جاتی ہے اور (الا اللہ) سے معبود برحق خالق کائنات کیلئے عبادت کو ثابت کیا گیا ہے، یعنی کلمہ توحید نفی واثبات اور کفر وایمان پر مشتمل ہے، اور ایسا ضروری بھی ہے اسلئے کہ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ اللہ میرا رب ہے اور اسی لئے میں اسکی عبادت کرتا ہوں لیکن وہ دوسرے کی عبادت کرنے کا انکار نہ کرے نہ ہی زبانی اور نہ ہی عملی طور پر، تو پھر اس کی توحید اور اس کی عبادت اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی، گرچہ وہ زندگی بھر سب سے زیادہ عبادت گزار بنا رہے، اسکی عبادت اسے اسی وقت فائدہ پہونچائے گی جب وہ غیر اللہ کی عبادت کا انکار کرے گا۔

اسی لئے اللہ تعالی نے آیت کے اندر فرمایا کہ (جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے) اسلئے کہ جب آپ اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرے کو بھی پکاریں گے تو یہ عبادت آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

پھر آگے اللہ نے کہا کہ (اور اسکے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے) یہ جملہ حال ہے، یعنی دلیل کی روشنی میں اللہ کے سوا ایسا کوئی معبود نہیں جو پرستش کے لائق ہو، اسلئے کہ کسی کی عبادت اور پرستش کیلئے عابد کے پاس حجت اور دلیل کا ہونا ضروری ہے، قرآن میں حجت، برہان اور سلطان کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن کا مفہوم واضح اور روشن دلیل ہے۔ سو جو اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں انکے پاس قطعی طور پر کوئی واضح دلیل نہیں ہوتی ہے۔

آگے اللہ نے فرمایا: (اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے)۔

یہاں حساب کی نوعیت واضح نہیں کی گئی ہے، اس طرح اس ابہام کے اندر شدید وعید پائی

جاتی ہے اور ابہام بھی قرآن کے اندر شدید وعید اور تھویل عذاب کا ایک اسلوب ہے، اسکا حساب اللہ پر ہے، وہی جانتا ہے کہ وہ اسکا حساب کیسے لے گا، کیونکہ وہ جس طرح اسکے ظاہر کو جانتا ہے اسی طرح اسکے باطن کو بھی جانتا ہے، اس کا معاملہ اللہ پر ہے، وہی اسکا حساب کرے گا۔

آگے اللہ نے فرمایا: (بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں)۔

یہ اس بات کی دلیل ہیکہ جو اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے وہ کافر ہے، خواہ اس سے مراد کفر اکبر ہو یا اصغر، اگر وہ معذور ہو گا تو اسے اصغر کہیں گے اور اگر معذور نہیں ہو گا با یں طور کہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو اور حق اور ہدایت واضح ہو چکی ہو پھر وہ ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو پھر وہ کفر اکبر ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَفِي الْحَدِيثِ: "الدُّعَاءُ مُخُ الْعِبَادَةِ" ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ} سورة غافر آية ٦٠.

ترجمہ: اور حدیث پاک میں ہے: دعا عبادت کا مغز ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: اور تمھارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمھاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ سورہ غافر آیت: ٦٠۔

الشرح:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اور دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا ہی عبادت ہے۔

دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، کیونکہ کسی چیز کا مغز اس کی اصل اور خالص شکل ہوتی ہے اور دعا خالص عبادت کو کہتے ہیں، اسلئے کہ بندہ جب اللہ کو پکارتا ہے تو اسکی پناہ لیتا ہے اور اور اپنے فقر ومحتاجگی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے رب کی بے نیازی کا اقرار کرتا ہے، ایسی صورت میں دعا خالص عبادت اور اس کا مغز بن جاتی ہے یعنی خالص اللہ کی عبادت۔

آگے شیخ نے کہا: (اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: اور تمھارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ

سے دعا کرو، میں تمھاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔یقین مانو کہ جولوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔سورہ غافر آیت: ۶۰۔

یہاں پر دعا کو عبادت کہا گیا ہے، اور دعا کرنے اور پکارنے سے اعراض یا تو تکبر کی وجہ سے کرے گا یا اعراض یا اشراک کی وجہ سے کرے گا، اور (ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے)۔یعنی دنیا میں جس طرح انہوں نے تکبر اور گھمنڈ کیا، صرف اللہ کے سامنے نہیں جھکے بلکہ اسکے ساتھ غیروں کو بھی شریک کیا اسی طرح وہ آخرت میں ذلیل ہوکر دوزخ میں جائیں گے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَدَلِيلُ الْخَوْفِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ} سورة آل عمران آية ١٧٥.

ترجمہ: خوف کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مؤمن ہو۔ سورہ آل عمران آیت: ۱۷۵۔

الشرح:

اللہ تعالی نے فرمایا: (فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ) ترجمہ: تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مؤمن ہو۔ سورہ آل عمران آیت: ۱۷۵۔

اللہ کا یہ قول شرط ہے اور اسکا جواب یا تو متقدم ہے یا پھر محذوف ہے پر متقدم دلالت کرتا ہے، اور اللہ کا قول (وَخَافُونِ) جواب شرط ہے ان لوگوں کے نزدیک جو شرط پر تقدیم جواب کو جائز سمجھتے ہیں، اور وہ بصری اور بعض کوفی ہیں، اور انکے سوا دوسروں کے نزدیک جواب محذوف ہے جس پر ما قبل دلالت کرتا ہے، یعنی اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈور۔ اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، ضروری ہیکہ آیت کے منطوق اور مفہوم دونوں کو لیا جائے؛ منطوق یہ ہیکہ اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو۔ اور مفہوم یہ ہیکہ جو اللہ سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی خوف کو اللہ کیلئے خالص کرتا ہے وہ مومن نہیں ہے۔

خوف پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے، یہاں پر خوف سے مراد خوف عبادت ہے، اور جہاں تک

خوف طبعی کا تعلق ہے جیسے کہ کوئی اپنے طاقتور دشمن سے خوف کھائے، آگ سے یا شیر سے خوف کھائے تو یہ طبعی خوف ہے نہ خوف عبادت۔

اور وہ خوف جسے شرک کہا جاتا ہے اس سے وہ خوف مراد ہے جسے غیر اللہ کی طرف پھیر دیا جائے بایں طور کہ آپ کسی مخلوق سے خوف کھائیں یہ سوچ کر کہ وہ آپ کو اپنی پر اسرار طاقت یا کسی کرامت کی وجہ سے نقصان یہ پہونچائے، یہی شرک اکبر ہے، اور اس شرک کے اندر بہت سارے مسلمان واقع ہیں بطور خاص وہ لوگ جو صوفیوں کی گود میں جی رہے ہیں، جو لوگوں کو اللہ سے غافل کر کے اسکے بندوں کا خوف پیدا کرتے ہیں، اور خود کو بندوں اور اللہ کے درمیان واسطہ بتاتے ہیں اور لوگوں کو اس بات پر ابھارتے ہیں کہ وہ مشائخ سے خوف کھائیں، ان سے اپنی امیدیں وابستہ رکھیں اور انکا تقرب حاصل کریں پھر انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا، یعنی اگر وہ خوف ورجاء اور رغبت سب اپنے شیخ سے وابستہ کرلے گا پھر اسے جنت میں جانے سے کوئی نہیں روک پائے گا، گویا یہ صوفی لوگوں کو پہلے شرک وکفر کی طرف بلاتا ہے پھر اس سے جنت کا وعدہ کرتا ہے!! کس قدر تضاد ہے صوفیوں کی دعوت اور کلام میں!!



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ودليل الرجاء قوله تعالى: {فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا} [الكهف: ١١٠] سورة الكهف آية ١١٠.

وَدَلِيلُ التَّوَكُّلِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ} [المائدة: ٢٣] سورة المائدة آية ٢٣ {وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ} [الطلاق: ٣] سورة الطلاق آية ٣.

ترجمہ: امید و رجا کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو، اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔ (الکہف: ١١٠)۔

توکل کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: اور تم اگر مؤمن ہو تو تمھیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ سورہ المائدہ آیت: ٢٣۔ مزید ارشاد باری تعالی ہے: جو شخص اللہ پر توکل کرے گا، اللہ اسے کافی ہوگا۔ سورہ الطلاق آیت ٣.

الشرح:

جیسے کہ وہ غیر اللہ سے اسی طرح امید رکھے جس طرح اللہ سے امید رکھتا ہے جس طرح کہ اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا) ترجمہ: تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی

آرزو ہو، اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔(الکہف:۱۱۰)۔

یعنی مرنے کے بعد بروز قیامت ایسے عمل کے ذریعے جو خالص ہو، اس میں کسی طرح کا شرک نہ ہو، کیونکہ ساری چیزیں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اسلئے سارے امیدیں اسی سے وابستہ رکھیں، اس میں ذرا بھی شرک نہ کریں۔بلکہ یہ امید اور رجاء بالکل خالص رکھیں۔

آگے شیخ نے کہا:(توکل کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے:اور تم اگر مؤمن ہو تو تمھیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔سورہ المائدہ آیت:۲۳۔

یہاں پر جواب شرط یا تو متقدم ہے یا پھر محذوف ہے، یا تو آپ یہ کہیں کہ اگر تم مومن ہو تو اسی پر بھروسہ کرو، اس بنیاد پر کہ جواب محذوف ہے جس پر ماقبل دلالت کر رہا ہے، یا یہ کہیں کہ جواب شرط (فتوکلوا) ہے، اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔

توکل علی اللہ قلبی اعتماد کو کہتے ہیں اور قلبی بھروسہ صرف اللہ پر ہوگا چنانچہ آپ کی رزق، ہدایت، صلاح وتقوی، اصلاح ذریت اور دیگر امور زندگی میں قلبی بھروسہ اللہ ہی پر ہوتا ہے، البتہ اسباب کا اپنانا اور عمل کرنا مشروع ہے لیکن ان سے قلبی تعلق جوڑنا شرک ہے، قلبی تعلق اور بھروسہ اللہ پر ہوگا۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَدَلِيلُ الرَّغْبَةِ وَالرَّهْبَةِ وَالْخُشُوعِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ} [الأنبياء: ٩٠].

وَدَلِيلُ الْخَشْيَةِ قَوْلُهُ تعالى: {فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي} [البقرة: ١٥٠].

وَدَلِيلُ الإِنَابَةِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ} سورة الزمر آية ٥٤.

ترجمہ: رغبت ورہبت اور خشوع کے عبادت ہونے کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے: یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ، طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

خشیت کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: خبردار! تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔سورہ البقرہ آیت: ۱۵۰۔

انابت اور رجوع کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: تم (سب) اپنے رب کی طرف لوٹ پڑو اور اس کی حکم برداری کیے جاؤ۔سورہ الزمر آیت: ۵۴۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (رغبت و رہبت اور خشوع کے عبادت ہونے کی دلیل)۔اس پر اللہ کا قول پیش کیا ہے جس کے اندر اللہ نے کچھ انبیاء کے اوصاف کو ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے

:(وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ[89] فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَى وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ) ترجمہ:اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو ہی سب وارثوں سے بہتر ہے۔[89] تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا، بے شک وہ نیکیوں میں بہت جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔(الانبیاء:۹۰)۔

یہاں اللہ نے واضح کیا کہ انبیاء اور بزرگان دین کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کو رغبت اور رہبت کھ ساتھ پکارتے ہیں۔

اور اسے اسلوب حصر کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ عامل پر معمول کے مقدم ہونے سے سمجھ میں آرہا ہے:(وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ)۔ یہاں پر جار مجرور (لنا) معمول ہے اور (خاشعین) عامل ہے۔

اگر اسی کو دوسرے سادہ اسلوب میں کہا جائے غیر قرآن میں: (وکانوا خاشعین لنا) تو یہ معنی نہیں دے گا۔بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہوگا کہ ہم اللہ کے سوا دوسروں سے بھی خوف کھاتے ہیں۔اور یہی اس اسلوب کی خاصیت ہیکہ یہ عامل کو معمول میں محصور کر دیتا ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (خشیت کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: خبردار! تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔) سورہ البقرہ آیت:۱۵۰۔

اس میں صراحت کے ساتھ غیر اللہ سے ڈرنے کی ممانعت ہے، اور یہاں پر خشیت خوف ہی کے معنی میں ہے، اور خوف پر جو تفصیلی کلام گزر چکا ہے اسی کو یہاں بھی منطبق کر سکتے ہیں۔

اگر شیخ نے کہا: (انابت اور رجوع کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: تم (سب) اپنے رب کی طرف لوٹ پڑو اور اس کی حکم برداری کیے جاؤ۔ سورہ الزمر آیت: ۵۴)۔

انابت توبہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے نیز اپنے سارے معاملات کو اللہ کے حوالے کرنے کو کہتے ہیں، اور یہ سب اللہ ہی کیلئے ہو سکتا ہے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَدَلِيلُ الاسْتِعَانَةِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} الفاتحة آية ٥.

وفي الحديث: "إذا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ" . سنن ترمذی، صفة القيامة والرقائق والورع (٢٥١٦).

ترجمہ: استعانت (مدد طلبی) کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ سورہ الفاتحہ آیت: ۵۔

اور حدیث پاک میں ہے: "جب تم مدد طلب کرو، تو اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کرو۔" (سنن ترمذی: ۲۵۱۶)۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (استعانت (مدد طلبی) کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

یہاں بھی معمول کو عامل پر مقدم کر کے اسلوب حصر کا استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ (ایاک نعبد) اور (نعبد ایاک)، اور اسی طرح (ایاک نستعین) اور نستعین ایاک) میں بہت فرق ہے، اسلوب حصر کے ساتھ معنی یہ ہیکہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے۔

استعانت پر بھی تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔انسان کیلئے جائز ہیکہ وہ غیر اللہ سے ان امور میں مدد مانگ سکتا ہے جن پر وہ قادر ہے جیسے کہ اگر چوپائے سے کوڑا گر جائے تو وہاں پر موجود کسی سے مانگ سکتا ہے،گاڑی پر سامان رکھنے کیلئے مدد طلب کرسکتا ہے،اسی طرح اپنے ساتھی سے قلم عاریت میں لے سکتا ہے۔اسی طرح دوسرے اختیاری معروف امور میں مدد طلب کرسکتا ہے۔

اور جہاں تک حدیث کا تعلق ہے کہ جب تم مدد طلب کرو،تو اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کرو۔" (سنن ترمذی:۲۵۱۶)۔

تو یہاں مراد وہ امور ہیں جن میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا قادر نہ ہو اسی طرح استغاثہ کا معاملہ بھی ہے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَدَلِيلُ الاسْتِعَاذَةِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ - مَلِكِ النَّاسِ} [الناس:١]۔ {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الفلق} [الفلق:١]۔

وَدَلِيلُ الاسْتِغَاثَةِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ} [الأنفال:٩] الآية. الأنفال آية ٩.

ترجمہ: استعاذہ (پناہ طلبی) کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: آپ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔ سورہ الناس:١

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: (آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔ سورہ فلق:١۔

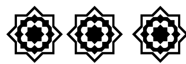
استغاثہ کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: اس وقت کو یاد کرو، جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی۔ سورہ الانفال آیت:٩۔

الشرح:

استعاذہ پناہ لینے کے معنی میں ہوتا ہے۔ بسا اوقات انسان غیر اللہ کی پناہ میں آسکتا ہے مگر انہیں چیزوں میں جن پر وہ قادر ہو، جیسے کہ کوئی اپنے سے بڑے طاقتور شخص کی پناہ طلب کرے تاکہ وہ اسے دشمن سے بچالے، اور پھر وہ اسکی پناہ میں سلامتی کے ساتھ شہر میں جا سکے، اس طرح کی پناہ جائز ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (استغاثہ کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: اس وقت کو یاد کرو، جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی۔سورہ الانفال آیت:۹۔)۔

استغاثہ کہتے ہیں مدد طلب کرنے سوچ فریاد رسی کرنے کو۔اور یہ بھی غیر اللہ سے اسی صورت میں جائز ہے جب وہ زندہ ہو،آپ کی فریاد سن رہا ہو،سامنے حاضر ہو،مدد پر قادر رہو۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ودليل الذبح قوله تعالى: {قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ} سورة الأنعام آية ١٦٢، ١٦٣.

وَمِنَ السُّنَّةِ: "لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ".

ترجمہ: ذبح وقربانی کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشادالٰہی ہے: اور آپ فرمادیجیے کہ یقینا میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب خالص) اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔سورہ الانعام آیت: ۱۶۳۔

اور سنت سے اس کی دلیل یہ ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: "جس نے غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔" (صحیح مسلم: ۱۹۷۸)۔

الشرح:

یہاں پر شاہد (اور میری قربانی) ہے، نسک یعنی قربانی ایسا ذبیحہ جس میں بندہ قربانی کے دن جانور کا خون بہا کر تقرب الہی حاصل کرتا ہے، اور اسی طرح سنت سے عقیقہ میں بھی مشروع ہے، اس طرح کی قربانیوں کو عبادت کہتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی بکری ذبح کرے اپنے گھر میں محض کھانے کیلئے یا مہمان نوازی کیلئے تو اسے

عبادت نہیں کہا جائے گا، یعنی ہر ذبیحہ عبادت نہیں ہے، صرف وہی ذبیحہ عبادت ہے جس میں تقرب الٰہی مقصد ہو۔

ذبیحے کو غیر اللہ کی طرف پھیرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ جمہور مسلمانوں میں بہت معروف ہے، چنانچہ جب کوئی سفر سے سلامتی کے ساتھ واپس آجاتا ہے، بطور خاص سفر حج سے، تو اپنے پیر اور شیخ طریقے کے نام پر ذبیحہ کرتا ہے شیخ کا تقرب حاصل کرنے، یا تو اپنے ہی گھر میں یا پھر شیخ کے مزار پر، اور اس میں معاملہ مزید سنگین ہو جاتا ہے، کیونکہ مزاروں پر ذبح کئے گئے ذبیحوں کا کھانا حرام ہے، گرچہ وہاں اللہ کا نام لے، کیوں کہ اس نے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے ذبح کیا ہے، اس صورت میں اللہ کے نام کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اسے غیر اللہ کی خاطر ذبح کیا گیا ہے۔ یہ ذبیحہ بالکل مردار جیسا ہے کیونکہ غیر اللہ کی خاطر اس کا خون بہایا گیا ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور سنت سے اس کی دلیل یہ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے: "جس نے غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو" (صحیح مسلم: ۱۹۷۸)۔

غیر اللہ کیلئے ذبیحہ کرنے کا مسئلہ ہمارے ان نوجوانوں کیلئے سمجھنا تھوڑا مشکل ہو رہا ہوگا جنہوں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے وہ صحیح اسلام کے سائے میں پروان چڑھے ہیں، لیکن جنہوں نے دنیا کے دوسرے علاقوں میں جمہور مسلمانوں کے احوال پر نظر دوڑائی ہوگی یا دورہ کیا ہوگا اسے معلوم ہوگا کہ کس طرح اپنے پیروں اسے مشائخ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے لوگ غیر اللہ کی خاطر چوپایوں کا خون بہاتے ہیں۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَدَلِيلُ النَّذْرِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا} سورة الدهر آية ۷.

ترجمہ: نذر کے عبادت ہونے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں، جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔ سورہ الدھر آیت: ۷۔

الشرح:

نذر: نذر کہتے ہیں کہ بندہ اپنے اوپر کسی ایسی چیز کو واجب کر لے جو اسکے اوپر واجب نہ ہو۔

یہ ایک ایسی عبادت ہے جس پر شارع نے نہیں ابھارا ہے، بلکہ نذر نہ ماننے پر ابھارا ہے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: أَوَلَمْ يُنْهَوْا عَنِ النَّذْرِ، إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" إِنَّ النَّذْرَ لَا يُقَدِّمُ شَيْئًا وَلَا يُؤَخِّرُ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِالنَّذْرِ مِنَ الْبَخِيلِ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ کہتے ہیں: کیا لوگوں کو نذر سے منع نہیں کیا گیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نذر کسی چیز کو نہ آگے کر سکتی ہے نہ پیچھے، البتہ اس کے ذریعہ بخیل کا مال نکالا جا سکتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۶۹۲)۔

اور اسی طرح صحیح مسلم کے اندر وارد ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إِنَّهُ لَا

يَأْتِي بِخَيْرٍ وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ) ترجمہ: اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا (یعنی کوئی آنے والی بلا نہیں رکتی اور تقدیر نہیں پھرتی) بلکہ بخیل کے دل سے مال نذر کے سبب سے نکلتا ہے۔" (یعنی بخیل یوں تو خیرات نہیں کرتا۔ جب آفت آتی ہے تو نذر ہی کے بہانے روپیہ دیتا ہے مسکینوں کو فائدہ ہوتا ہے)۔(صحیح مسلم:۱۶۳۹)۔

سو جو بخیل اپنے مال میں صدقہ نہیں نکالتا اللہ بیماری وغیرہ کے وقت نذر کے ذریعے اس کا مال نکال لیتا ہے بایں طور کہ وہ یا اسکی اولاد مریض ہوتی ہے تو وہ کہتا ہیکہ اگر اللہ میری بیماری کو دور کردے یا میری گمشدہ چیز واپس کردے یا میرا لڑکا امتحان میں پاس ہوجائے تو میں اللہ کی خاطر ایک دنبہ ذبح خروج گا اور اسے فقراء ومساکین میں تقسیم کردوں گا۔

یہ بخیل کا معاملہ ہے کہ وہ فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی دنبہ ذبح کرکے فقراء میں تقسیم نہیں کرے گا، اسی لئے نذر کے ذریعے ہی سہی، صدقہ کسی صورت میں نکالتا تو ہے، اسی لئے کہا گیا ہیکہ نذر سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا (یعنی کوئی آنے والی بلا نہیں رکتی اور تقدیر نہیں پھرتی) بلکہ بخیل کے دل سے مال نذر کے سبب سے نکلتا ہے۔" (یعنی بخیل یوں تو خیرات نہیں کرتا۔ جب آفت آتی ہے تو نذر ہی کے بہانے روپیہ دیتا ہے مسکینوں کو فائدہ ہوتا ہے)۔

اور نذر کی غرابت اور دوسری عبادتوں سے الگ اسے اسی لئے بتایا گیا ہیکہ شارع نے اس پر نہیں ابھارا ہے البتہ اگر کوئی نذر مان لے تو اسکی ادائیگی کو واجب بتایا گیا ہے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ

نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ، فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ، فَلَا يَعْصِهِ".

ترجمہ: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اس کی نذر مانی ہو کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اطاعت کرنی چاہئے لیکن جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی ہو اسے نہ کرنی چاہئے۔" (صحیح بخاری: ٦٦٩٦)۔

خلاصہ یہ کہ نذر پر شریعت میں ابھارا نہیں گیا ہے البتہ مان لینے کی صورت میں اسکا پورا کرنا واجب ہے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الأَصْلُ الثَّانِي: مَعْرِفَةُ دِينِ الإِسْلامِ بِالأَدِلَّةِ وَهُوَ الاستسلام لله بالتوحيد، والانقياد له بالطاعة، والخلوص من الشرك وأهله.

ترجمہ: دوسری بنیادی بات: دین اسلام کو دلائل کے ساتھ جاننا، اسلام کے معنی ہیں توحید کو اختیار کرتے ہوئے اللہ کے آگے سپر ڈال دینا، اس کی اطاعت و بندگی کو اختیار کرتے ہوئے اس کا مطیع و فرمانبردار ہو جانا اور شرک کی آلائشوں اور اہل شرک سے پاک رہنا۔

الشرح:

شیخ نے اسلام کی تعریف کرتے ہوئے کہا: (اسلام کے معنی ہیں توحید کو اختیار کرتے ہوئے اللہ کے آگے سپر ڈال دینا)۔

یعنی اگر اسلام ذکر تنہا آئے گا تو پھر اس کے ساتھ ایمان بھی شامل ہوگا، لیکن اگر اسلام اور ایمان دونوں کا ذکر ایک ہی سیاق میں ہوگا تو پھر معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا جائے گا، جیسا کہ حدیث جبریل میں دونوں کا ذکر ایک ہی سیاق میں وارد ہوا ہے، ایسی صورت میں ایمان کو قلبی اعمال سے جب کہ اسلام کو بدنی اعمال سے تفسیر کی جائے گی۔ لیکن اگر صرف اسلام کا تنہا ذکر ہوگا تو اس میں ایمان بھی شامل ہوگا جس طرح کہ اگر صرف ایمان کا ذکر ہوگا تو اس میں اسلام بھی شامل ہوگا۔

اسی لئے شیخ محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ نے کہا کہ: (اسلام کے معنی ہیں توحید کو اختیار کرتے

ہوئے اللہ کے آگے سپر ڈال دینا)۔ چنانچہ عبادت کو اللہ کیلئے خالص کرنے کو اسلام اور ایمان دونوں کہیں گے جس طرح کہ رب کے اطلاق سے اللہ کے افعال میں اسے ایک جاننا یعنی خلق، رزق، مارنا جلانا اور عطا کرنا اور روکنا سب اسکے اعمال میں شامل ہوتا ہے۔اسی طرح بندوں کے افعال میں بھی اسے ایک جاننا جیسے کہ بندوں کا اسے پکارنا، استغاثہ کرنا، نذر وغیرہ ماننا جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، اسے اسلام اور ایمان دونوں کہیں گے۔

آگے شیخ نے کہا: (اس کی اطاعت و بندگی کو اختیار کرتے ہوئے اس کا مطیع وفرمانبردار ہوجانا)۔

اس سے شیخ نے بدنی اعمال کی طرف اشارہ کیا ہے، جبکہ (توحید کو اختیار کرتے ہوئے اللہ کے آگے سپر ڈال دینا) سے قلبی اعمال کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اصل توحید دل ہی میں ایمان لانے سے پیدا ہوتا ہے، اسی لئے عقیدہ ایمان کا ایک اہم پہلو ہے، سو اگر کوئی ایمان کا دعوی کرے اور وہ عقیدے کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تو اسکا ایمان محض دعوی ہوگا جو محتاج دلیل ہے؛ کیونکہ ایمان کہتے ہیں کہ دل میں اعتقاد کیا جائے، اعضاء وجوارح سے عمل کیا جائے اور زبان سے اقرار کیا جائے۔اور دل میں اعتقاد کرنے ہی کو عقیدہ کہتے ہیں، اور یہی ایمان ہے، اسی لئے عقیدہ کوئی معمولی سبجیکٹ نہیں ہے جسے اسکول اور یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے بلکہ عقیدہ ایسا علم ہے جس سے کوئی بھی مسلمان مرد اور عورت بے نیاز نہیں ہوسکتی۔

شیخ نے کہا: (اس کی اطاعت و بندگی کو اختیار کرتے ہوئے اس کا مطیع وفرمانبردار ہوجانا)۔

یہی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی مطلق اطاعت ہے، جبکہ آپ کے سوا دوسرے مخلوق کی اطاعت مقید ہے، جیسے کہ اولو الامر امراء اور علماء کی اطاعت اور والدین کی اطاعت، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مقید نہیں مطلق ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔ (النساء ۵۹)۔

یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت پر عطف کیا گیا ہے اور فعل کو مکرر لایا گیا ہے، جب کہ اولو الامر کے وقت فعل کو مکرر نہیں لایا گیا ہے، کیونکہ انکی اطاعت اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔

اسی لئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم آجائے تو ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ کیا یہ حکم کتاب اللہ میں موجود ہے یا نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہم پر مطلق طور پر واجب ہے گر چہ اس امور کا ذکر قرآن میں نہ آیا ہو، یہی مطلق طاعت کا مفہوم ہے۔ اور جو لوگ فقہی احکام پڑھتے ہیں وہ اسکی مثالیں جانتے ہیں، کیونکہ اس تعلق سے کچھ احکام قرآن کے اندر وارد ہوئے ہیں اور کچھ احکام انفرادی طور پر سنت کے اندر وارد ہوئے ہیں، اور دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہی معاملہ اسماء وصفات کے باب کا بھی ہے، کچھ صفات ایسے ہیں جن پر کتاب وسنت متفق ہیں اور کچھ صفات ایسے ہیں جو صرف سنت میں وارد ہوئے ہیں انکا ذکر قرآن میں نہیں آیا

ہے، ایسی صورت میں ہم یہاں توقف اختیار نہیں کریں گے بلکہ ان صفات کو بھی پہلے کی طرح مانیں گے اور ان پر بھی اسی طرح ایمان لائیں گے۔

یہ بہت ہی اہم نقطہ ہے ضروری ہیکہ طلبہ اسے سمجھ لیں، تاکہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ سنت کو استقلال حاصل نہیں ہے یہ قرآن کے تابع ہے۔ بلکہ سنت کبھی قرآن کے موافق ہوتی ہے اور کبھی مستقل طور پر آتی ہے۔ اور کبھی تاکیدی طور پر آتی ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور شرک کی آلائشوں اور اہل شرک سے پاک رہنا)۔

اسلئے کہ اگر توحید خالص نہیں ہوگا تو وہ مقبول بھی نہیں ہوگا، جس طرح کہ اطاعت اگر اللہ کیلئے خالص نہیں ہوگی تو وہ مقبول نہیں ہوگی؛ کیونکہ اللہ تعالی شرکاء سے بے نیاز ہے، جیسا کہ اپنے بارے میں اللہ تعالی نے ایک حدیث قدسی کے اندر اس بات کی خبر دی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں بہ نسبت اور شریکوں کے محض بے پرواہ ہوں ساجھی سے، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ میرے غیر کو ملایا اور ساجھی کیا تو میں اس کو اور اس کے ساجھی کے کام کو چھوڑ دیتا ہوں۔“ (یعنی جو عبادت اور عمل دکھانے اور شہرت کے واسطے ہو وہ اللہ کے نزدیک مقبول نہیں مردود ہے۔ اللہ اسی عبادت اور عمل کو قبول کرتا ہے جو اللہ ہی کے واسطے

خالص ہو۔اور دوسرے کااس میں کچھ لگاؤ نہ ہو)۔(صحیح مسلم:۲۹۸۵)۔

پتہ چلا کہ اعمال اسی وقت مقبول ہوں گے جب وہ خالص ہوں گے،اور توحید بھی اسی وقت مقبول ہوگا جب وہ خالص ہوگا،اس طرح توحید کو اختیار کرتے ہوئے اللہ کے آگے سپر ڈال دینا، اس کی اطاعت و بندگی کو اختیار کرتے ہوئے اس کا مطیع وفرمانبردار ہوجانا اور شرک کی آلائشوں اور اہل شرک سے پاک رہنا اور یہ سب خالص اللہ کے لئے کرنے کا نام اسلام ہے،اور اسی کو ایمان بھی کہیں گے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وهو ثلاث مراتب: (الإسلام) و (الإيمان) و (الإحسان).

ترجمہ: اور اس کے تین درجے ہیں:

اسلام، ایمان اور احسان۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (اور اس کے تین درجے ہیں)۔ اس سے مراد دین اسلام ہے، وہ دین جسے لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اسکے تین درجات ہیں:

پہلا درجہ: اسلام۔

دوسرا درجہ: ایمان۔

تیسرا درجہ: احسان۔

یہ دین ایک بہت ہی وسیع اور کشادہ عمارت ہے جس قدر بلند ہوتا جائے گا تنگ پڑتا جائے گا یہاں تک کہ چوٹی تک پہونچ جائے۔

سب سے زیادہ وسیع پہلا درجہ اسلام ہے، جس سے ظاہری خود سپردگی مراد ہے، اس میں منافقوں کا اسلام بھی شامل ہے۔ ایمان سے زیادہ خاص اور تنگ ہے، کیوں کہ اس میں ضروری ہیکہ ظاہری خود سپردگی کے ساتھ دل میں اعتقاد بھی پایا جائے۔ اور احسان بالکل چوٹی پر ہے، یعنی مضبوطی اور پختگی میں۔ اس طرح محسنین خالص مومن ہیں، چنانچہ ایک بندہ جب احسان کے

درجے کو پہونچ جاتا ہے تو وہ خالص مسلم اور مومن ہو جاتا ہے، اس کے اعمال میں اضافے کی وجہ سے اس کا ایمان بہت زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے، بلکہ وہ اللہ کی محبت، اس کے مراقبہ اور خشیت میں وہ اس درجے تک پہونچ جاتا ہے کہ وہ جب اللہ کی عبادت کرتا ہے تو گویا وہ اسکا مشاہدہ کررہا ہوتا ہے، اسے یہ یقین ہو جاتا ہیکہ وہ ہمہ وقت اللہ کے حفظ وامان اور اسکے پہلو میں رہتا ہے، سو اللہ اسے دیکھتا اور سنتا ہے اور اسکی ہر چیز سے باخبر ہے، اور کوئی بندہ اس درجے تک یونہی نہیں پہونچ سکتا ہے، اسکے لئے محنت، جد وجہد اور عمل کی ضرورت ہے، اور بہت کم ہی لوگ اس مقام تک پہونچ پاتے ہیں، کیونکہ یہ مقام علم و یقین اور صبر چاہتا ہے۔

اسی لئے ہم اپنے ان نوجوانوں سے کہیں گے جو جہاد کی رغبت اور علم سے بے رغبتی رکھتے ہیں کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے، کوئی بھی آپ کو اگر ایسی سوچ دے رہا ہے کہ حصول علم سے بے رغبت کرکے جہاد پر جانے کی رغبت دلا رہا ہے، تو یقینا یہ بظاہر اچھا عمل لگ رہا ہے، جب کہ یہ اچھا نہیں ہے، یقینا آپ مجاہدین کے درجے تک، احسان کے درجے تک اور اللہ کا تقرب بغیر علم کے نہیں حاصل کرسکتے ہیں، اسکے لئے واحد راستہ علم ہی ہے۔

ممکن ہے کچھ سر پھرے قسم کے لوگ آپ کو جہاد کی تیاری کیلئے ابھاریں، پھر آپ حصول علم کو ترک کردیں اس طرح ایک دوسال یونہی گزر جائے اور آپ کو کچھ بھی حاصل نہ ہو نہ ہی جہاد کرسکیں اور نہ ہی علم حاصل کرسکیں، اور ایسا نوجوانوں میں بہت ہو رہا ہے، اسلئے ضروری ہیکہ آپ حصول علم پر دھیان دیں، پہلے علم حاصل کریں، تربیت اور مشق کریں پھر جہاد کریں، بہت سارے مخلص نوجوان ایسا ہی کررہے ہیں، وہ گاہے بگاہے جہاد کرتے ہیں مگر اسکے لئے کوئی شور

نہیں مچاتے، مگر کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے جہاد کو اپنا کھوکھلا شعار بنا رکھا ہے اور جب وقت پڑتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتے ہیں، افغان جنگ میں انکی حقیقت کھل کر سامنے آگئی تھی، یہ صرف تجربہ کار اور ماہرین علماء ہی جانتے ہیں۔

جہاد اچھا عمل ہے بلکہ اسلام کی چوٹی ہے، یہ کوئی کھوکھلا شعار اور نعرہ نہیں ہے کہ اسکے لئے مظاہرے کئے جائیں، اگر آپ جہاد کرنا چاہتے ہیں تو پھر علم حاصل کرو، پھر مشق کرو اور تربیت حاصل کرو پھر اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے نکل جاؤ اگر اسکے ضوابط اور شروط میسر ہوں، آپ خاموشی سے جہاد کرو، آپ کے اور آپ کے رب کے سوا اسے کوئی نہ جانے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وكل مرتبة لها أركان.

فَأَرْكَانُ الإِسْلامِ (خَمْسَةٌ) شَهَادَةُ أَن لا اله إلا الله وأن محمدا رسول الله و (إقام الصلاة) و (إيتاء الزكاة) و (صوم رمضان) و (حج بَيْتِ اللهِ الْحَرَامِ).

فَدَلِيلُ الشَّهَادَةِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ} سورة آل عمران آية ۱۸۔

ومعناها لا معبود بحق إلا الله وحده، و (لا اله) نَافِيًا جَمِيعَ مَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللهِ، (إِلا اللهُ) مُثْبِتًا الْعِبَادَةَ للهِ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ فِي عِبَادَتِهِ كَمَا أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ شَرِيكٌ فِي مُلْكِهِ.

ترجمہ: ہر درجے کے کچھ ارکان بھی ہیں۔

پہلا درجہ: اسلام ہے، اسلام کے پانچ ارکان ہیں: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

گواہی کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور فرشتے اور سب اہل علم بھی (گواہی دیتے ہیں) کہ وہی حاکم ہے

انصاف کے ساتھ، اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، جو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ سورہ آل عمران آیت: ۱۸۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ (لا الہ) میں اللہ کے سوا ان تمام چیزوں کی نفی ہے، جن کی عبادت ہوتی ہے۔ (إلا اللہ) میں صرف ایک اللہ کی عبادت کا اثبات ہے، جس کی عبادت اور بادشاہت میں اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (ہر درجے کے کچھ ارکان بھی ہیں)۔

یعنی دین کے تینوں درجات میں سے ہر درجے کے کچھ ارکان ہیں۔

شیخ نے کہا کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ یہ دراصل درج ذیل حدیث سے ماخوذ ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام بنایا گیا ہے پانچ چیزوں پر، ایک تو گواہی دینا اس بات کی کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اللہ کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا، چوتھے حج کرنا خانہ کعبہ کا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔" (صحیح بخاری:

۸، صحیح مسلم: ۱۶)۔

آگے شیخ نے کہا: (گواہی کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور فرشتے اور سب اہل علم بھی (گواہی دیتے ہیں) کہ وہی حاکم ہے انصاف کے ساتھ، اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، جو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ سورہ آل عمران آیت: ۱۸۔)۔

یہاں پر اللہ نے خود اپنے لئے توحید کی گواہی دی ہے، فرشتوں نے بھی گواہی دی ہے اور مومنوں نے بھی۔

آگے شیخ نے کہا: (اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے)۔

یہاں پر (بحق) کو مقدر ماننا ضروری ہے، اور جو لوگ مقدر نہیں مانتے وہ غلطی پر ہیں، انہیں کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کا مطلب نہیں معلوم ہے، کیونکہ انکے حساب سے مطلق طور پر تمام معبودان کی نفی ہو رہی ہے اور یہ واقع کے خلاف ہے، معبود ہمیشہ ہر جگہ پائے گئے ہیں، البتہ برحق معبود صرف اللہ ہی ہے۔

اس طرح یہ کلمہ شہادت کفر اور ایمان دونوں کو شامل ہے: کفر اور انکار ان تمام چیزوں کی جنکی اللہ کے سوا پرستش کی جاتی ہے، اور ایمان صرف اللہ کی عبادت کرنے پر، اسی لئے صحیح مفہوم یہی ہیکہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اور اللہ کے ماسوا جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ سب باطل ہے، ان سب پر معبود کا اطلاق ہوگا، عرب انہیں معبود کہتے تھے، آج انہیں کو جاہل لوگ معبود نہ کہہ کر مشائخ، پیر، بزرگ اولیاء وصلحاء نیز مزار و درگاہ کہتے ہیں، یہ سب بدلے ہوئے نام

ہیں، اور سب معبود بنالئے گئے ہیں، اسی لئے کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا جسکی بھی پرستش کی جائے خواہ وہ شجر وحجر ہو یا کوئی شیطان یا ولی ہو، اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ کوئی نیک بزرگ شخص ہے یا کوئی شیطان اور فاجر شخص ہے، یہ سب باطل معبود ہیں جو کسی صورت میں عبادت کے لائق نہیں ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (لاالہ) میں اللہ کے سوا ان تمام چیزوں کی نفی ہے، جن کی عبادت ہوتی ہے)۔

یہ سب نیک ہوں یا برے لوگ، جمادات ہوں یا نباتات سب کی پرستش باطل ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (إلا اللہ) میں صرف ایک اللہ کی عبادت کا اثبات ہے، جس کی عبادت میں اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے)۔

عبادت کی تشریح تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے اسلئے ہم اسکا اعادہ نہیں کریں گے۔

آگے شیخ نے کہا: (اسی طرح اسکی بادشاہت میں بھی اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے)۔

یہ شیخ کا استدلال ہے، اور یہ طریقہ آپ نے قرآن کے طرز استدلال سے اخذ کیا ہے، یعنی جس طرح توحید عبادت پر توحید ربوبیت سے استدلال کیا گیا ہے اسی طرح شیخ نے استدلال کیا کہ جس طرح اسکے عبادت میں اسکا کوئی شریک نہیں اسی طرح اسکی بادشاہت میں بھی اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَتَفْسِيرُهَا الَّذِي يُوَضِّحُهَا قَوْلُهُ تَعَالَى:

{وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ - إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ - وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ} الزخرف آية ٢٦ - ٢٧ - ٢٨، وقَوْلُهُ تَعَالَى: {قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ} آل عمران آية ٦٤.

ترجمہ: اس کی عبادت اور بادشاہت میں اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے۔ اس شہادت کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کررہا ہے: اور جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں، جن کی تم عبادت کرتے ہو، بجز اس ذات کے، جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔ اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کرگئے؛ تاکہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں۔ سورہ الزخرف آیت: ٢٦-٢٨۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی: (آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ، جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر

وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلمان ہیں۔سورہ آل عمران آیت: ٦٤۔

الشرح:

یہاں پر دراصل شیخ محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی بہت ساری آیتیں تفسیر کررہی ہیں، انہیں میں سے اللہ تعالی کا یہ قول بھی ہے:(وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ - إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ - وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) ترجمہ: اور جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں، جن کی تم عبادت کرتے ہو، بجز اس ذات کے، جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کرگئے؛ تاکہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں۔ سورہ الزخرف آیت:٢٦-٢٨۔

یہ آیتیں لا الہ الا اللہ کے معنی میں ہیں حتی کہ ترتیب میں بھی، چنانچہ اللہ کا قول: (إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ) کلمہ توحید کے پہلے حصے (لاالہ) کے مقابلے میں ہے، اور (إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي) کلمہ توحید کے اگلے حصے (الااللہ) کے مقابلے میں ہے، اس طرح مذکورہ آیتوں کی ترتیب بالکل اسی طرح ہے جس طرح کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی ترتیب ہے، کہ اس میں پہلے شرک سے براءت کا اظہار ہے پھر آخر میں معبود برحق کا اثبات اور اس پر ایمان ہے۔

اللہ نے فرمایا:(وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) ترجمہ: اور

(ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کر گئے؛ تا کہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں۔

گویا یہ امت بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہنے والی ہے اسلئے کہ آپ ابوالانبیاء ہیں، اس طرح یہ کلمہ تمام انبیاء میں باقی رہا اور اس امت میں بھی۔

اسی طرح انہیں آیتوں میں سے جو کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی تفسیر کرتی ہیں یہ آیت بھی ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے: (قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ، جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلمان ہیں۔ سورہ آل عمران آیت: ٦٤۔

چنانچہ اس آیت کے اندر اللہ کا قول: (أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ) کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کے معنیٰ میں ہے، اسی طرح دوسرا قول: (وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا) بھی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کے مفہوم میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ) ترجمہ: نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔

چنانچہ جو علماء، مشائخ اور انکے متبوعین کی اطاعت کرتے ہیں حتی کہ قبائل کے روساء کی بھی اطاعت کرتے ہیں، اس طرح پر کہ وہ جاہلی طریقے پر جس چیز کو حلال وحرام کہہ دیں اسی کو بلا دلیل حلال وحرام مان لیں تو گویا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر انہیں اپنا رب بنالیا ہے۔

یہاں پر یہ گمان نہ کیا جائے کہ ہم گویا کہہ رہے ہیں کہ بغیر وحی کے فیصلے کرنا کفر ہے، اور غیر وحی سے مراد صرف بیرون ملک سے برآمد قوانین ہی ہیں، بلکہ اس میں علاقائی عادات ورسومات بھی شامل ہیں، کہ شرعی دلیلوں کو چھوڑ کر جس سے بھی حلال وحرام کہا جائے وہ اس حکم میں داخل ہے، اس علاقائی قبائلی نظام اور بیرونی برآمد نظاموں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ جو بھی فیصلہ بغیر وحی کے ہوگا وہ جاہلی فیصلہ ہوگا، اور وہ کفر ہے، اور دیہاتوں میں اپنے تقالید اور عادات ورسومات کے تحت اس طرح کے تحلیل وتحریم میں واقع ہوتے ہیں خواہ انہیں اسکا شعور نہ ہو، چنانچہ بعض علاقوں میں آج بھی میراث کو مردوں کے ساتھ خاص مانتے ہیں، اور بعض حالات میں میراث کو بھی صرف بڑی اولاد کیلئے خاص کردیتے ہیں، اور بعض اوقات صرف چچیری بہن کو محروم رکھتے ہیں، جبکہ خالہ زاد یا پھوپھی زاد بہن کو محروم نہیں رکھتے ہیں۔ اس طرح قبائلی عادات وتقالید کو یہ اتھارٹی دے دیتے ہیں کہ وہ حرام وحلال ٹھہرائیں، اور قبائل کے مشائخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو درکنار کرکے جاہلی تقالید کی بنیاد پر یہ فیصلے کرتے ہیں، چنانچہ یہ سب بغیر وحی کے فیصلہ کرنے میں شامل ہوگا اور ان سب کو طواغیت کہا جائے گا۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَدِلِيلُ شَهَادَةِ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ} التوبة آية ١٢٨.

ترجمہ: اس بات کی گواہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اس کی دلیل ارشاد باری ہے: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ سورہ التوبۃ آیت: ۱۲۸۔

الشرح:

اللہ نے فرمایا: (لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ) ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں۔

یہاں پر علمائے تفسیر کا اختلاف ہیکہ یہ خطاب صرف عرب کو ہے یا تمام مسلمانوں کو؟ جمہور مفسرین کا یہی قول ہیکہ یہ خطاب عربوں کیلئے خاص ہے؛ کیونکہ اسلام پہلے انہیں کے پاس آیا، چنانچہ اس معاملے میں عرب دوسرے مسلمانوں کیلئے اساتذہ ہیں، اسی لئے جب عرب غالب ہوں گے اور دین کو مضبوطی سے تھام کر رکھیں گے تو دوسرے مسلمان بھی انہیں کے تابع ہوں گے، لیکن جب وہ انحراف کا شکار ہو جائیں گے تو دوسرے مسلمان اس انحراف میں بھی انکے تابع ہوں

گے۔

اور اللہ کے قول (لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ) ترجمہ: تمھارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں۔

سے مراد یہی ہیکہ وہ رسول تمہارے ہی جنس سے ہوگا وہ کوئی فرشتہ یا جن نہیں ہوگا اگر ایسا ہو جائے تو تم لوگ اسے دیکھ کر وحشت میں پڑ جاؤ گے، تمہارے ہی جنس سے رسول کو بھیج کر اللہ نے تم پر رحم کیا ہے اور تا کہ تم پر حجت قائم کر دے، اسی لئے تمہارے ہی اندر سے بھیجا جو تمہاری ہی زبان بول رہا ہے جسکے حسب نسب اور جسکی حقیقت سے تم اچھی طرح واقف ہو۔

اللہ تعالی نے فرمایا: (عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ) ترجمہ: جن کو تمھاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔

یعنی اسے یہ پسند نہیں ہے کہ تم کسی بھی قسم کی دشواری کا سامنا کرو۔

آگے فرمایا: (حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ) یعنی وہ تمہاری ہدایت، ایمان اور استقامت کا حریص ہے۔

آگے اللہ نے فرمایا: (بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ} یہاں بھی جار مجرور کی شکل میں معمول کو مقدم کر دیا ہے جسکے اندر حصر اور قصر پایا جاتا ہے، یعنی وہ صرف مومنوں پر خاص مہربان ہے۔ اور جہاں تک غیر مومنوں کا تعلق ہے تو ان پر یہ رسول سخت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ) ترجمہ: محمد ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں اور

آپس میں رحم دل ۔(الفتح:۲۹)۔

اللہ نے فرمایا:{بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ} ترجمہ: ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

یہاں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ آپ مومنوں پر بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔اور بالکل یہی صفت اللہ کی بھی ہے۔آخر ایسا کیوں کر؟ کیا مخلوق کو خالق کے صفات سے متصف کر سکتے ہیں؟ اس مسئلے میں بہت سارے لوگ مشکل میں پڑ جاتے ہیں، جب کہ یہاں صرف لفظی اشتراک ہے، عام معنی کے اندر کوئی تشبیہ نہیں ہے، جیسے کہ رحمت، رافت، علم اور سمع و بصر وغیرہ جیسے کچھ ذاتی صفات، چنانچہ مخلوق سنتی ہے اور خالق بھی سنتا ہے، لیکن اللہ کا سننا مخلوق کے سننے جیسا نہیں ہے، یعنی جو حقیقت مخلوق کے سننے کی ہے وہ خالق کے سننے کی حقیقت نہیں ہے، یہی معاملہ یہی معاملہ بصر، رحمت، رافت، علم بادشاہت اور عظمت کا بھی ہے۔

چنانچہ کچھ لوگ ناپسند کرتے ہیں کہ مخلوق کو بادشاہ کہا جائے جبکہ اللہ خود جسے چاہتا ہے بادشاہت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، چنانچہ بادشاہ، مالک، عالم سمیع و بصیر جیسے اسماء کا اطلاق جس طرح خالق کیلئے جائز ہے مخلوق کیلئے بھی جائز ہے اس سے دونوں میں کوئی تشبیہ لازم نہیں آتا۔

اسے ہم اشتراک لفظی کہتے ہیں، اور یہ موصوف کی طرف ان صفات کے منسوب کرنے سے قبل ہوتا ہے جسے علمائے کلام "مطلق کلی" کہتے ہیں، یعنی جس کا وجود صرف ذہن میں ہو خارج میں اسکا کوئی وجود نہ ہو، لیکن ان صفات کو جیسے ہی موصوف کی طرف اضافت کریں گے وہ اسی کے

ساتھ خاص ہو جائیں گے، اس وقت کوئی اشتراک اور کوئی تشبیہ نہیں ہوگی۔

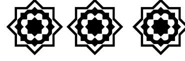
چنانچہ جب آپ کہیں گے: (اللہ کا علم) تو اس وقت وہ علم اپنے تمام کامل وشامل مواصفات کے ساتھ اللہ کیلئے خاص ہو جائے گا، یعنی ایسا علم جو تمام معلومات کو محیط ہو، ایسا علم جس میں پہلے کوئی جہالت نہ ہو، ایسا علم جو غفلت اور بھول چوک سے پاک ہو، ایسا علم جو ذات باری کی قدامت کی طرح قدیم ہو، کیا یہ علم کسی مخلوق کے علم کے مشابہ ہوسکتا ہے؟ بالکل نہیں، یہ علم صرف اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

اور جہاں تک مخلوق کے علم کا تعلق ہے تو یہ علم کسبی ہے، جس میں پہلے جہالت ہوتی ہے، یہ ایک قاصر اور ناقص علم ہے، یہ تمام معلومات کو محیط نہیں ہے، اسی لئے اللہ کی ذات پاک ہے اس سے کہ وہ مخلوق کے علم، اسکے خصائص اور دیگر ناقص مواصفات اور حقائق میں شریک ہو۔

ضروری ہیکہ ہم اس نقطے کو ہر مناسب موقع پر دہراتے رہیں تاکہ طلبہ کے ذہن میں راسخ ہو جائے کیونکہ یہ بہت اہم ہے، علمائے کلام کے بھٹکنے کا سبب اسی نقطے کو نہ سمجھ پانا ہے، اسی لئے وہ یہ تفریق نہیں کر سکے، کسی نے کہا کہ اللہ کے صفات میں ہم ویسے ہی تصور کریں گے جیسے مخلوق کے بارے میں تصور کرتے ہیں، اس طرح خالق کے صفات مخلوق کے صفات کی طرح ہو گئے، اور کسی نے کہا کہ جب ہم توحید چاہتے ہیں تو صفات کی نفی کر دیتے ہیں، یعنی ہم صرف ایسی ذات کو ثابت کرتے ہیں جو کسی صفت سے متصف نہ ہو۔

اس طرح دونوں گمراہی کی کھائی میں گر گئے سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان متبعین اور پیروکاروں کے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتے ہیں، وہ کتاب اللہ اور سنت

رسول کے سوا حق بات کو کسی دوسری جگہ نہیں ڈھونڈ تے ہیں، اسی لئے اللہ انہیں ہدایت پر قائم رکھتا ہے، وللہ الحمد والمنہ۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَمَعْنَى شَهَادَةِ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ: طَاعَتُهُ فِيمَا أَمَرَ، وَتَصْدِيقُهُ فِيمَا أَخْبَرَ، واجْتِنَابُ مَا عنه نهى وزجر، وأن لا يُعْبَدَ اللهُ إلا بِمَا شَرَعَ.

ترجمہ: اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی دینے کا مطلب ہے: آپ کے حکموں کی تعمیل کرنا، آپ نے جن چیزوں کے بارے میں خبر دی ہے انہیں سچ جاننا، آپ کی منع کی ہوئی چیزوں سے دور رہنا اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی اللہ کی عبادت کرنا۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (آپ کے حکموں کی تعمیل کرنا اور آپ نے جن چیزوں کے بارے میں خبر دی ہے انہیں سچ جاننا)۔

(فیما) کے اندر (ما) موصولہ عموم کیلئے ہے اور یہ بات گزر چکی ہیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق اطاعت ہے ان تمام امور میں جنکا آپ نے حکم دیا ہے یا جن سے منع کیا ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی اللہ کی عبادت کرنا)۔

کیوں کہ بہت سارے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو کرتے ہیں، آپ کو جھٹلاتے نہیں ہیں، اور بہت سارے منہیات سے دور بھی رہتے اور حکم کو مانتے بھی ہیں لیکن اللہ کی عبادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں کرتے، اور بدعتوں میں

واقع ہو جاتے ہیں۔

اسکی مثال: بعض لوگ ممنوعہ اوقات میں نوافل مطلق طور پر پڑھتے ہیں، یا فجر کی اذان کے بعد کئی کئی رکعات پڑھ لیتے ہیں، اگر آپ کہیں گے کہ بھئی! اذان کے بعد فجر کی صرف دو ہی سنت مشروع ہے، اور یہ ممنوعہ اوقات میں سے ہے تو وہ کہنے لگتا ہیکہ ان نمازوں سے میں تقرب الہی حاصل کر رہا ہوں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہیکہ اگر نماز ہے تو اسے کبھی بھی اور کیسے بھی پڑھ سکتے ہیں، جبکہ یہ جہالت ہے، کیا کوئی عبادت قبول ہوگی اگر وہ صحیح سنت کے طریقے پر عمل نہ کی گئی ہو؟ اسی لئے بندے پر واجب ہیکہ وہ اللہ کی اسی طریقے پر عبادت کرے جس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع کیا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ جو اللہ کی عبادت سنت کے طریقے پر نہیں کرتا ہے اسکی مثال اس مسافر کی ہے جو اپنے توشہ خانے میں ریت بھرتا ہے جو راستے بھر اس سے بوجھل ہوتا مگر اسکا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ (بدائع الفوائد: ۳/۷۵۶)۔

ایسا شخص جب اپنی منزل پر پہونچ کر گوشہ دان کھولتا ہے تو اس میں سوائے ریت کے کچھ نہیں پاتا ہے، اسی طرح عمل کا معاملہ بھی ہے کہ اسے تھکاوٹ اور پریشانی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ جو سنت نبوی کے طریقے پر عمل نہیں کرتا ہے اسکا وہ سارا عمل مردود ہو جائے گا، اس کا وہی عمل مقبول ہوگا جو سنت کے موافق ہوگا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔"

اور آخر کیا اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یونہی عبث میں بھیجا ہے؟ اسی لئے آپ کو بھیجا ہے تاکہ ہم آپ کی اتباع کریں اور اللہ کی عبادت اسی طریقے پر کریں جو طریقہ آپ نے بتلایا ہے، اگر ہم آپ کی قیادت اور آپ کا طریقہ چھوڑ کر اپنے اپنے طریقے پر چل نکلیں گے تو نتیجہ ہلاکت اور ضیاع ہی ہوگا۔

اسی لئے سنت کا مقام ومرتبہ وہی سمجھ سکتا ہے جو سنت پر قائم ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی پیروی کرتا ہے، لیکن جو لوگ اللہ کی عبادت جہالت کی بنیاد پر کرتے ہیں بطور خاص وہ لوگ جو صوفیوں کی گود میں جی رہے ہیں انہیں سنت کے مقام ومرتبے کا کوئی علم نہیں، انہیں صرف یہی معلوم ہیکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ماہ رمضان میں صرف تبرک کیلئے پڑھا جاتا ہے، بایں طور کہ کچھ لوگ ماہ رمضان میں ختم بخاری کی مجلس لگاتے ہیں، ایک آدمی ایک طرف سے پڑھتا جاتا ہے اور شیخ کسی ستون سے لگ بیٹھا صرف ہاں ہاں کر رہا ہوتا ہے، اور طلبہ یکے بعد یکے پڑھتے رہتے ہیں، یہاں تک ختم کر دیتے ہیں، پھر ختم بخاری کے نام پر بطور تبرک کے دعاؤں کے ساتھ کھانے پینے کا پروگرام کرتے ہیں، اس ختم بخاری وہ کسی ایک بھی حکم سے استفادہ نہیں کر پاتے، نہ ہی فقہی احکام میں، نہ ہی عقائد میں اور نہ ہی کسی دوسرے باب میں۔ اس طرح وہ خالی ہاتھ فارغ ہو جاتے ہیں، نسال اللہ العافیہ والسلامۃ۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَدَلِيلُ الصَّلاةِ وَالزَّكَاةِ وَتَفْسِيرُ التَّوْحِيدِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ} [البينة: ٥] البينة آية ٥.

ودَلِيلُ الصِّيَامِ قَوْلُهُ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} [البقرة: ١٨٣] البقرة آية ١٨٣.

ترجمہ: نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ توحید کی تفسیر کی مشترکہ دلیل یہ ارشاد باری تعالی ہے: انھیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص کرکے اور یکسو ہوکر، نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔ یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔ سورہ البینہ آیت: ۵۔

رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ والے ہو جاؤ۔ سورہ البقرہ آیت: ۱۸۳۔

الشرح:

ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

حُنَفَاءَ) ترجمہ: انھیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص کر کے اور یکسو ہو کر۔ یعنی شرک سے کٹ کر توحید و اخلاص کے ساتھ۔ سب کو اسی کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ) ترجمہ: نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔ یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔ یعنی دین کا وہ سیدھا راستہ جو اللہ تک پہونچانے والا ہے بایں طور کہ ہم اللہ کی عبادت میں اخلاص کریں، نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں۔

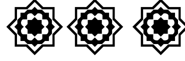
آگے شیخ نے کہا: (رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی دلیل یہ ارشاد الہی ہے: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ والے ہو جاؤ۔ سورہ البقرہ آیت: ۱۸۳۔

سوال یہ ہیکہ روزے کے وجوب ہم کہاں سے لے لیں گے؟ پہلی شریعتوں سے تو لے نہیں سکتے، کیونکہ ہم انکا طریقہ اور کیفیت نہیں جانتے ہیں کہ وہ کیسے روزہ رکھتے تھے، اسی لئے ضروری ہیکہ ہم نبوی طریقے پر عمل کریں۔

اور روزے کا مقصد تقوی بتلایا گیا ہے یعنی یہ روزہ ہمارے اور عذاب الہی کے درمیان آڑ اور پردہ ہے، کیونکہ روزہ تقوی کا سبب ہے، ایک روزے دار اپنی شہوت اور لذت کو اللہ کہ خاطر ترک کر دیتا ہے، اسی لئے اللہ نے روزے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی کے اندر وارد ہوا ہے: (قَالَ اللَّهُ: " كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ، إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ) ترجمہ: اللہ پاک فرماتا ہے کہ انسان کا ہر نیک عمل خود اسی کے لیے ہے مگر روزہ کہ

وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔(صحیح بخاری: ۱۹۰۴)۔

اس طرح یہ ایک عظیم اور لائق شرف نسبت ہے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ودَلِيلُ الْحَجِّ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ} آل عمران آية ٩٧.

ترجمہ: بیت اللہ کے حج کرنے کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: اور اللہ کا لوگوں پر یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے، تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ سورہ آل عمران آیت: ۹۷۔

الشرح:

اس آیت سے حج کے وجوب کا پتہ چلتا ہے، اور اس آیت کے تعلق سے اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ یہ آیت ۹ / ہجری میں نازل ہوئی ہے یعنی اللہ جے ہمارے او پر حج کو ۹ / ہجری میں فرض کیا ہے۔ (فتح الباری: ۸ / ۸۲)۔

اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ایک وفد بھیج کر مکہ کی تطہیر کا اعلان کیا اور آنے والے سال یعنی دس ہجری میں آپ نے حج کرنے کا اعلان کیا، جیسا کہ صحیحین کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: "بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي أَمَّرَهُ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فِي رَهْطٍ يُؤَذِّنُونَ فِي النَّاسِ يَوْمَ النَّحْرِ: " لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ

عُرْيَانٌ"۔

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حج میں روانہ فرمایا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امیر کیا حجۃ الوداع کے قبل اور مجھے روانہ کیا اس جماعت میں کہ جو پکارتے تھے نحر کے دن کہ اس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی بیت اللہ کا ننگا ہو کر طواف کرے۔(صحیح بخاری: ۳۶۹، صحیح مسلم: ۱۳۴۷)۔

اور آیت کے اندر استطاعت اور طاقت کا مطلب فقہاء امت کے نزدیک زاد راہ اور سواری ہے۔جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يُوجِبُ الْحَجَّ؟ قَالَ: " الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ ". قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً وَجَبَ عَلَيْهِ الْحَجُّ، وَإِبْرَاهِيمُ هُوَ ابْنُ يَزِيدَ الْخُوزِيُّ الْمَكِّيُّ، وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر پوچھا: اللہ کے رسول! کیا چیز حج واجب کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ”سفر خرچ اور سواری“۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ابراہیم ہی ابن یزید خوزی مکی ہیں اور ان کے حافظہ کے تعلق سے بعض اہل علم نے ان پر کلام کیا ہے، اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ آدمی جب سفر

خرچ اور سواری کا مالک ہو جائے تو اس پر حج واجب ہو جاتا ہے۔(سنن ترمذی:۸۱۳)۔

اس حدیث کے اندر گرچہ کلام ہے مگر مفہوم صحیح ہے کتاب وسنت کے دیگر نصوص اس کی موافقت کرتے ہیں۔

آگے اللہ تعالی نے فرمایا:{وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ} ترجمہ:اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے،تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس سے کچھ لوگوں نے یہ استدلال کیا ہیکہ استطاعت کے باوجود حج کو ترک دینا کفر ہے، لیکن جمہور کے نزدیک یہاں کفر سے مراد کفر عملی ہے نہ کہ اعتقادی،یعنی اگر کوئی استطاعت کے باوجود حج کو ترک کردے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا،اسکے ترکے سے حج کے اخراجات نکال کر دوسروں سے حج کراسکتے ہیں۔

اسلئے استطاعت کے باوجود تارک حج شرک اکبر یا کفر اکبر تک نہیں پہونچے گا جب تک کہ وہ وجوب حج کا انکار نہ کرے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الْمَرْتَبَةُ الثَّانِيَةُ الإِيمَانُ۔

ترجمہ: دوسرا درجہ ایمان ہے۔

الشرح:

یہ بات گزر چکی ہے کہ سب سے وسیع درجہ اسلام کا ہے پھر اسکے بعد ایمان اور پھر آخر میں احسان ہے جو بہت ہی مخصوص بندوں کیلئے ہے۔ یہاں پر ہم کچھ وقفہ کریں گے تا کہ ایمان کی حقیقت میں اہل علم کے اختلاف کو جان سکیں، کیوں کہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا ہم پر واجب ہے، اور اسکے لئے ضروری ہیکہ اس باب میں اختلافی امور سے بچ کر صحیح موقف کے مطابق ایمان لائیں۔

چنانچہ بعض اہل کلام کے نزدیک ایمان مجرد معرفت باری تعالی جو کہتے ہیں، انکے یہاں کفر جہالت اور عدم معرفت کا نام ہے۔ یہی جہم بن صفوان کا قول ہے، اس طرح ہر جاہل کافر ٹھہرے گا، اور جہم بن صفوان سے بڑا جاہل کوئی نہیں ہے، اسی لئے کہا جاتا ہیکہ اس نے اپنے ہی اوپر کفر کا فتوی لگا دیا اور اسے اسکا احساس ہی نہیں ہوسکا۔ کیونکہ اس نے کہا کہ معرفت ہی ایمان ہے اور کفر جہالت کا نام ہے۔ اور جب ہم نے اسکے عقیدے کا تتبع کیا تو ہم نے یہی پایا کہ لوگوں میں اللہ کے تعلق سے اس سے بڑا جاہل کوئی نہیں ہے۔

اسی لئے جہمیہ کے یہاں اللہ تعالی کو کسی صفت اور اسم سے متصف نہیں کیا جائے گا، گویا انکے

یہاں اللہ کا وجود محض ذہنی ہے، خارج خ ین مطلق طور پر اسکا کوئی وجود نہیں ہے۔حالانکہ خارجی وجود کیلئے ضروری ہیکہ وہ صفت سے متصف ہو، اگر کوئی اسم وصفت سے متصف نہیں ہے تو وہ عدم ہے، اسی لئے جب انہوں نے اللہ کیلئے تمام اسماء وصفات سے انکار کر دیا تو اسے معدوم سے مشابہ کر دیا، اس طرح جہم بن صفوان خود اپنے اوپر اپنی ہی گواہی سے سب سے بڑا کافر ٹھہرا؛ کیونکہ اسکے یہاں ایمان معرفت اور کفر جہالت کو کہتے ہیں۔

ایمان کے بارے میں اہل کلام کا دوسرا قول یہ ہیکہ ایمان صرف تصدیق کو کہتے ہیں، یعنی دل میں اعتقاد رکھنے کو کہتے ہیں گرچہ زبان سے اقرار نہ کرے اور گرچہ زبان سے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دے، اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق دل سے کرتا ہے تو وہ مومن ہے۔

تیسرا قول یہ ہیکہ ایمان تصدیق اور اقرار دونوں کو کہتے ہیں۔یعنی دل سے تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرے۔

انہیں کو مرجئہ کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان سے صرف عمل کو نکال دیا ہے، اور یہ قول فقہائے مرجئہ کا ہے، جن کا تعلق کوفہ سے ہے۔اسلئے کہ یہی قول امام ابوحنیفہ کا بھی ہے۔پھر اسی قول کو تمام کوفیوں نے اپنا لیا، اور یہی مذہب بعد میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کی طرف منتقل ہوگیا حتی کہ جمہور اشاعرہ اور ماتریدیہ کے یہاں ایمان صرف تصدیق کو کہتے ہیں اور زبان سے اقرار کرنا انکے یہاں محل اختلاف ہے۔

اس بنیاد پر کتاب وسنت سے ثابت تمام اعمال انکے یہاں ایمان میں شامل نہیں ہیں،

کیونکہ انھوں نے اعمال کو ایمان سے نکل رکھا ہے، اور اسی کو ارجاء کہتے ہیں۔

اور یہ فرق بھی طلبہ کو جاننا ضروری ہیکہ امام ابوحنیفہ اور انکے پیروکاروں کا ارجاء اہل کلام کے ارجاء سے مختلف ہے، اسی لئے ابوحنیفہ کے پیروکاروں کو عقیدے کے باب میں فقہائے مرجئہ کہتے ہیں، اور جہاں تک اہل کلام کے مرجئہ کا تعلق ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں پہونچائے گا، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان میں کوئی لوگ متفاوت نہیں ہیں، انبیاء اور غیر انبیاء سب کا ایمان ایک درجے کا ہے، کیونکہ انکے نزدیک ایمان ایک حقیقت ہے جس کے اندر کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی ہے۔

جبکہ فقہائے مرجئہ اس حد نہیں گرے ہیں، گرچہ انہوں نے بھی اعمال کو ایمان میں شامل نہیں کیا ہے، بہرصورت یہ مذہب غلط ہے۔ درست وہی ہے جس پر جمہور علماء کا عمل ہے۔ اور یہ جمہور کثرت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ ان کے پاس کتاب وسنت سے دلیلیں ہیں، انہیں میں سے اللہ تعالی کا یہ قول بھی ہے: (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ[2] الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ[3] أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ) ترجمہ: (اصل) مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انھیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ [2] وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا، خرچ کرتے ہیں۔ [3] یہی لوگ سچے

مومن ہیں، انھی کے لیے ان کے رب کے پاس بہت سے درجے اور بڑی بخشش اور باعزت رزق ہے۔(الانفال:۴)۔

یہاں پر اللہ نے قلبی اعمال اور بدنی اعمال دونوں کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں کو ایمان کہا ہے۔

اس طرح تصدیق سے مراد خاص تصدیق لیا ہے، سو مرجئہ نے یہاں پر غلطی کر دی ہے، جبکہ یہاں شرعی تصدیق مراد ہے نہ کہ خاص لغوی تصدیق، کیونکہ ایمان لغت میں مجرد تصدیق کو کہتے ہیں۔

جبکہ شریعت میں دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں جسکی اعمال بھی تصدیق کرتے ہوں، کیونکہ اگر محض تصدیق قلب ہو تو یہ اس پر کوئی خارجی دلیل نہ ہو تو یہ محض دعوی ہوگا، بایں طور کہ کوئی یہ دعوی کرے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا اقرار کرتا ہے مگر وہ شریعت پر عمل نہ کرے، نماز روزہ اور حج زکاۃ کسی فریضے کا اہتمام نہ کرے اور کہتا پھرے کہ میں مومن ہوں کیونکہ میں شریعت کی تصدیق کرتا ھوں!! تو ہم اس سے کہیں گے کہ اپنی قلبی تصدیق پر دلیل پیش کرو، اور معلوم ہونا چاہئے کہ بدنی اعمال ہی اس قلبی تصدیق کی گواہی دیں گے۔

چنانچہ اگر کوئی بدنی عمل نہ ہو، نہ روزہ نہ نماز، نہ جہاد، نہ تبلیغ، نہ طلب علم اور نہ ہی کوئی دوسرا فریضہ، صرف یہی کہتا پھرے کہ میں تصدیق کرتا ہوں تو ایسے شخص کی تصدیق کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

اور یہ ارجائی ایمان مسلمانوں میں عام ہے، اسی لئے جب آپ کسی کوتاہ مسلمان کو نصیحت

کرتے ہیں تو وہ کہتا ہیکہ ایمان دل میں ہے، حالانکہ اگر وہ ایمان والا ہوتا تو اسکا اثر اسکے بدن پر ظاہر ہوتا، یہی لوگ صرف تصدیق پر بھروسہ کرتے ہیں اور عمل نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے ایمان کا صحیح مفہوم جانا ہی نہیں۔

سو ایمان کہتے ہیں دل میں اعتقاد رکھنے کو، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کو، اور دل کی تصدیق کیلئے زبان کا اقرار گواہی دیتا ہے جب وہ کہتا ہیکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور اس طرح اسکے ساتھ اعمال سنت رسول کے موافق ہوتے ہیں، کتاب وسنت اسی کی گواہی دیتے ہیں۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَهُوَ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً. فَأَعْلاهَا قَوْلُ لا اله إلا الله وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإيمان.

ترجمہ: ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں، جن میں اعلیٰ ترین شاخ "لا إله إلا الله" کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ شاخ راستے سے ضرر رساں چیزوں کو ہٹانا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

الشرح:

شیخ نے یہاں پر ایمان کی شاخوں کو اسی طرح بیان کیا ہے جیسا کہ صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ، بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيمَانِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کی ستر پر کئی یا ساٹھ پر کئی شاخیں ہیں ان سب میں افضل لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ کہنا ہے اور ادنیٰ ان سب میں راہ میں سے موذی چیز کا ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔" (صحیح بخاری: ۹، صحیح مسلم: ۳۵)۔

یہاں پر زبان کے اقرار کو صرف ایمان کا حصہ ہی نہیں قرار دیا بلکہ اسے ایمان کا اعلی اور

افضل درجہ قرار دیا ہے، اور اسے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی فضیلت میں بیان کیا جاتا ہے، اور یہ کلمہ ایمان میں رکن کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح اسلام میں بھی رکن کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ جب آپ اسلام کے ارکان کو شمار کرنا شروع کریں گے تو اسے سب سے اوپر پائیں گے اور اسی طرح ایمان کے شعبوں میں بھی اسے سب سے اوپر پائیں گے، اسی طرح جب آپ قرآن کے بعد افضل ذکر کے بارے میں جاننا چاہیں گے تو اسی کلمے کو پائیں گے، سو یہ بہت عظیم کلمہ ہے جو اسکے معنیٰ کو سمجھ کر اسکے تقاضوں پر عمل کر لے وہ کامیاب ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) ترجمہ: ان سب میں افضل لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ کہنا ہے۔

یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ توحید کے پہلے شق کا ذکر کیا ہے، اسکے دوسرے شق (محمد رسول اللہ) کا ذکر نہیں کیا ہے، تو کیا یہ کافی ہیکہ ہم صرف لا الہ الا اللہ کی گواہی دیں؟

جواب: کافی نہیں ہے، گرچہ یہاں دوسری شق کا ذکر نہیں ہے؛ کیونکہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ دونوں اجزاء جسم وجان کی طرح ہیں جو جدا نہیں ہو سکتے، چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیئے بغیر صرف وحدانیت کی گواہی کافی نہیں ہے، یعنی اقرار توحید میں صرف وحدانیت کی گواہی کافی نہیں ہے جب تک کہ رسالت کی گواہی نہ دیں، اسی طرح صرف رسالت کی گواہی کافی نہیں ہے جب تک کہ اس سے قبل وحدانیت کی گواہی کی دیں۔ بظاہر گرچہ دونوں الگ الگ ہیں لیکن حقیقت میں دونوں ایک ہیں، کیونکہ دونوں کے اندر تلازم کی صورت ہے دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم ملزوم ہیں، دونوں جدا نہیں ہو سکتے۔

اوراسی تلازم کی شہرت اوراسکے عام ہونے کی وجہ سے بعض احادیث میں رسالت کی گواہی کے بغیر صرف وحدانیت کی گواہی کا ذکر ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ محمد رسول اللہ کی گواہی کے بغیر صرف لا الہ الا اللہ کی گواہی کافی نہیں ہے، اوراس پورے جملے کو ہی کلمہ توحید کہتے ہیں، کلمہ اسلام، کلمہ ایمان اور مفتاح الجنہ کہتے ہیں۔

آگے فرمایا:(وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيمَانِ) ۔ترجمہ: اورسب سے ادنٰی شاخ راستے سے ضرررساں چیزوں کو ہٹانا ہے۔اورحیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے)۔ راستے سے ضرررساں چیزوں کو ہٹانا بدنی عمل ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، چنانچہ آپ کے تکمیل ایمان سے ہے کہ آپ اپنے بھائی کیلئے وہی پسند کریں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں، اوراس کے لئے وہی ناپسند کریں جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں، چنانچہ اگر راستے میں کیلے کا چھلکا پڑا ہوا دیکھیں تو اسے ہٹا دیں یہ سوچ کرکہ اگر میرے بھائی کا پیراس پر پڑ جائے گا تو پھسل کر گر جائے گا جس سے پیر بھی ٹوٹ سکتا ہے، راہ گزرنے والوں کے ساتھ آپ کی یک رحمت اور شفقت اور تکلیف نہ پہونچنے کا احساس ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اس طرح اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ایمان کا اعلی ترین شاخ ہے اور سب سے ادنٰی شاخ راستے سے ضرررساں چیزوں کو ہٹانا ہے۔اور دونوں شعبوں کے درمیان بہت ساری شاخیں ہیں، جو ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، نماز بھی ایمان کی ایک شاخ ہے، جہاد بھی ایک شاخ ہے، اسی طرح زکاۃ بھی ایک شاخ ہے، اور طلب علم بھی ایک شاخ

ہے، اس طرح ایمان بہت سارے شعبوں سے مل کر بنا ہے، جن میں بعض قلبی اعمال ہیں اور بعض بدنی اعمال ہیں، اس طرح ایمان مجرد تصدیق کا نام نہیں ہے اور نہ ہی مجرد زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ایمان کی شرح میں کہا کہ ایمان دراصل ایک حقیقت مرکبہ کا نام ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی معرفت، دل سے اس کی تصدیق کرنا، اس کی پابندی کرنا اور حسب استطاعت اسکی دعوت دینا شامل ہے، اللہ کی خاطر محبت اور نفرت کرنا اور اسی کی خاطر لینا دینا سب شامل ہے۔ اور یہ کہ آپ کا معبود صرف وہی اکیلا ہو، اور اس کی عبادت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اطاعت کی صورت میں ہوا۔ (الفوائد، ص ۱۰۷)۔

چنانچہ ساری عبادت اسی اللہ کی ہو، ساری امیدیں اسی اللہ سے وابستہ ہو اور اللہ کہ عبادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے ہو۔

ایمان اسی ترتیب سے ہے اور ایک حقیقت مرکبہ کا نام ہے جسکی وجہ سے اہل کلام اہل سنت والجماعہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ ایمان کیسے مرکب ہوسکتا ہے؟ اس لئے کہ مرکب کے بعض اجزاء کو اگر نکال دیا جائے تو اسکی حقیقت ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اسکی دلیل وہی مذکورہ حدیث ہے کہ ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی شاخوں کو متفاوت بتلایا ہے؛ بعض کے ختم ہونے سے ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے جیسے کہ اگر کلمہ توحید ختم ہو جائے تو سارے ایمان کا خاتمہ ہو

جائے گا،اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا،لیکن کیاایمان کی آخری شاخ (یعنی کسی راہ سے گزرے اوراس راہ کی تکلیف دہ چیزنہ ہٹائے) کے ختم ہوجانے سے ایمان کاخاتمہ ہوجائے گا؟

جواب: بالکل نہیں، اسکے خاتمے سے ایمان کا خاتمہ نہیں ہوگاالبتہ ایمان میں کمزوری اورکمی ضرور ہوگی۔

اورکلمہ توحید کے خاتمے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ میں لا الہ الا اللہ کااعتراف نہیں کرتا ہوں، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ زبان سے اس کااعتراف کرتے ہوں لیکن اسکے مخالف امور کا ارتکاب کرتے ہوں، کیوں کہ اسلام کے بھی نواقض ہیں جس طرح کہ وضو کے نواقض ہیں، جیسے کہ کسی نے وضو بنا کر مسجد میں گیا لیکن ہوا جارج ہونے سے اسکا وضوٹوٹ گیا،تو کیایہ وضواسے کچھ فائدہ دے گا؟ اسی طرح اگر کوئی ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے لیکن کسی مصیبت میں وہ اللہ کی طرف رجوع نہ کرکے کسی مخلوق کے پاس جائے جیسے کہ کسی ولی بزرگ کی قبر کے پاس جا کر کہے: اے فلاں! میری مدد کیجئے، آپ کے سوا میرا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔تو کیا اسے کلمہ توحید کچھ فائدے پہونچائے گا؟

جواب: نہیں، بلکہ کلمہ توحید کے خاتمے سے پورے طور پر ایمان کا خاتمہ ہوجائے گا، اسکے پاس سوائے کفروشرک کے کچھ نہیں باقی بچے گا،لیکن اگر اسکے علاوہ کسی شاخ میں کوتاہی کرے جیسے کہ حیاء کم ہوجائے اورکسی معصیت کاارتکاب کربیٹھے تو ایسی صورت میں اسکے ایمان کمی آجائے گی کلی ختم نہیں ہوگا۔

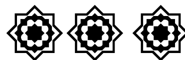
بعض لوگ ایمان میں اعمال کے داخل ہونے سے انکار کرتے ہیں اس عطف سے

استدلال کرتے ہوئے جسکا ذکر قرآن کی آیتوں میں وارد ہوا ہے:(الذین آمنوا وعملوا الصالحات)، کہتے ہیں کہ پتہ چلا کہ اعمال صالحہ ایمان سے الگ ہیں، اسلئے کہ اللہ نے ایمان پر اعمال صالحہ کا عطف کیا ہے اور عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے، جیسے کہ آپ کہتے ہیں: جاء زید وذھب عمرو۔سو یہاں پر زید وعمرو اور دونوں کے آنے جانے میں مغایرت ہے۔ پتہ چلا کہ اعمال صالحہ ایمان سے الگ ہیں۔

جواب:اس پر ہم کہیں گےکہ یہ صحیح ہیکہ عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے،لیکن مغایرت کے درجات ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے :(حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى)ترجمہ:سب نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز کی۔(البقرہ:۲۳۸)۔

درمیانی نماز بھی دیگر نمازوں کی طرح ہے، دونوں میں کوئی مغایرت نہیں ہے مگر یہ عطف کیسے صحیح ہوگیا؟

اسکا جواب یہ ہیکہ یہ عطف خاص علی العام کے باب سے ہے، چنانچہ عطف کی یہی صورت یہاں اعمال اور اعمال صالحہ میں بھی ہے۔کیوں کہ اعمال صالحہ ایمان ہی کا جزء ہے، جیسا کہ درمیانی نماز نمازوں کا جزء ہے جنکی پابندی کا ہمیں حکم ہوا ہے،اور اسکی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وأركانه ستة: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخر وبالقدر خَيْرِهِ وَشَرِّهِ.

وَالدَّلِيلُ عَلَى هَذِهِ الأَرْكَانِ السِّتَةِ قوله تعالى: {لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ} [البقرة: ١٧٧] الآية. البقرة آية ١٧٧.

ودليل القدر قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ} [القمر: ٤٩] القمر آية ٤٩.

ترجمہ: اور ایمان کے چھ ارکان ہیں: اللہ پر ایمان لانا، اس کے فرشتوں پر ایمان لانا، اس کی کتابوں پر ایمان لانا، اس کے رسولوں پر ایمان لانا، قیامت کے دن پر ایمان لانا اور اچھی و بُری تقدیر پر ایمان لانا۔

ایمان کے ان چھ ارکان کی دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد گرامی ہے: ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں؛ بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے، جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔ سورہ البقرہ آیت: ۱۷۷۔

اور تقدیر پر ایمان کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔ سورہ القمر آیت: ۴۹۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (اور ایمان کے چھ ارکان ہیں: اللہ پر ایمان لانا)۔

اللہ پر ایمان لانا: یہ ارکان ایمان میں سے پہلا رکن ہے، بایں طور کہ ہم اللہ کی ربوبیت اور اس کی الوہیت پر ایمان لائیں گے اور یہ کہ یہ بھی اسکے اسماء وصفات میں سے ایک ہے اور اسکی مثل کوئی نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) ترجمہ: اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (الشوری:١١)۔

دوسرا رکن: اسکے فرشتوں پر ایمان لانا: چنانچہ بندہ فرشتوں کے وجود پر ایمان لائے گا، اور یہ کہ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ) ترجمہ: جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انھیں حکم دے اور وہ کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔ (التحریم:٦)۔

اور یہ کہ اللہ نے انہیں کچھ اعمال سونپ رکھے ہیں کسی کے پاس وحی کی ذمیداری ہے، کسی کے پاس بارش کی ذمیداری ہے اور کسی کے پاس روح قبض کرنے کی ذمیداری ہے، اور اس طرح کی جتنی بھی حالات اور صفات کا ذکر کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں ان سب پر ایمان لانا۔

تیسرا رکن: اسکی کتابوں پر ایمان لانا: ان میں قرآن کے ساتھ تمام نازل شدہ کتابیں شامل ہیں، جن پر یہ ایمان لانا کہ یہ اللہ کا کلام ہیں مخلوق نہیں ہیں، برخلاف اہل کلام کے جن میں اشاعرہ

بھی شامل ہیں، بطور خاص قرآن، تورات، انجیل اور زبور کہ یہ اللہ کا کلام ہیں، اور یہ کہ اللہ کے کلام کی کوئی انتہا نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا) ترجمہ: کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر) اس کی مدد کو لائیں۔ (الکہف:۱۰۹)۔

اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام سے، موسی علیہ السلام سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف جگہوں پر اور مختلف اوقات میں کلام کیا ہے، اسی طرح اللہ تعالی ہر رات کی آخری پہر میں کلام کرتا ہے جس وقت دنیاوی آسمان پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: (هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ؟) ترجمہ: کوئی مانگنے والا ہے کہ وہ اسے دے۔ کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے۔ کوئی بخشش چاہنے والا ہے کہ بخشا جائے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم:۷۵۸)۔

اسی طرح اللہ تعالی قیامت کے روز محشر میں حساب کتاب کیلئے آئے گا اور کلام کرے گا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جَمَعَ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَقُولُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ، فَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ الشَّمْسَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيتَ الطَّوَاغِيتَ، وَتَبْقَى هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا، فَيَأْتِيهِمُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي صُورَةٍ غَيْرِ

صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ، فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ، هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ، فَيَأْتِيهِمُ اللَّهُ تَعَالَى فِي صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ، فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا، فَيَتَّبِعُونَهُ)

ترجمہ: حق تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔ تو فرمادے گا جو کوئی جس کو پوجتا تھا اس کے ساتھ ہو جائے پھر جو شخص آفتاب کو پوجتا تھا وہ سورج کے ساتھ ہو گا اور جو چاند کو پوجتا تھا وہ چاند کے ساتھ اور جو طاغوت کو پوجتا تھا وہ طاغوت کے ساتھ اور یہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہ جائے گی اس میں منافق لوگ بھی ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا ایسی صورت میں جس کو وہ نہ پہچانیں گے اور کہے گا: میں تمہارا پروردگار ہوں وہ کہیں گے: اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے اور ہم اسی جگہ ٹھہرے ہیں یہاں تک کہ ہمارا پروردگار آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور کہے گا: میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے: تو ہمارا رب ہے، پھر اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ (صحیح مسلم: ۱۸۲)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل جنت سے سلام کرے گا اور اوپر سے ان سے مخاطب ہو گا، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟، فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ

ذَلِكَ؟، فَيَقُولُونَ: يَا رَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ، فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”البتہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بہشتی لوگوں سے اے بہشتیو! سو وہ کہیں گے اے رب! ہم حاضر ہیں خدمت میں اور سب بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے۔ پروردگار فرمائے گا: تم راضی ہوئے؟ وہ کہیں گے: ہم کیسے راضی نہ ہوں گے، ہم کو تو نے وہ دیا کہ اتنا اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ پروردگار فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے بھی عمدہ کوئی چیز دوں؟ وہ عرض کریں گے: اے رب! اس سے عمدہ کون سی چیز ہے؟ پروردگار فرمائے گا: میں نے تم پر اپنی رضامندی اتاری اب میں اس کے بعد تم پر کبھی غصہ نہ ہوں گا۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۲۹)۔

یہ سب اللہ کا کلام ہے۔

جبکہ دوسری طرف اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کا ایک ہی معنیٰ ہے، قائم بذاتہ ہے، نہ وہ حرف ہے اور نہ صوت۔

جبکہ یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے، اسلئے کہ اس میں قرآن کے کلام اللہ ہونے سے انکار ہے، اشاعرہ نے معتزلہ کی اس بات میں موافقت کی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، اس طرح انکے اس دعوی میں تناقض ہے کہ وہ معتزلہ کے خلاف ہیں۔

اور دیگر آسمانی کتابوں کے تعلق سے ہمارا یہ ایمان ہیکہ وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں، اور جہاں تک قرآن کی بات ہے تو اس تعلق سے ہمارا ایمان ہیکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کلام

ہے، اور یہ کہ وہ ہماری زندگی کا دستور ہے، اسی کے ذریعے ہم فیصلہ کریں، اور اسی روشنی میں ہم زندگی گزاریں، سو ایک مسلمان اپنا عقیدہ، توحید، عبادات، احکام واخلاق سب اسی سے حاصل کریں، اسی طرح سیاست اور اقتصاد بھی، چنانچہ یہ ہر چیز کی کتاب ہے، اگر اسے سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے، اور یہ ایمان لایا جائے کہ یہ اللہ کا حقیقی کلام ہے، کیونکہ اللہ نے اسے اپنا کلام کہا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ) اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلام خدا سننے لگے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو۔ اس لیے کہ یہ بے خبر لوگ ہیں۔ (التوبہ:٦)۔

یہ کلام جسکی تلاوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اسی کو مشرکین مکہ نے سنا تھا اور وہ یہی قرآن ہے جو دو دفتیوں کے درمیان موجود ہے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مصحف کے دو دفتیوں کے درمیان جو ہے وہی اللہ کا کلام ہے۔ اور جہاں تک دوسری آسمانی کتابوں کا تعلق ہے تو اس پر ہمیں عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب نزول قرآن کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔

چوتھا رکن: اسکے رسولوں پر ایمان لانا: یہاں بھی وہی کہا جائے گا جو ایمان بالکتب کے بارے میں کہا گیا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے رسولوں کے بارے میں ایمان لائیں گے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، معصوم ہیں، اللہ کی رسالت کی انہوں نے تبلیغ کی ہے، لیکن جس رسول کی اتباع واجب ہے اور جسکے طریقے پر اللہ کی عبادت کرنا ضروری ہے وہ آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ

وسلم ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں جو سب کیلئے عام ہے، خواہ وہ انس وجن ہوں یا یہودی اور نصرانی سب پر واجب ہے کہ وہ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں کیونکہ آپ خاتم النبین ہیں علیہ الصلوۃ والسلام۔

پانچواں رکن: آخرت پر ایمان لانا: ہر انسان کی آخرت اسکی موت ہی سے شروع ہوجاتی ہے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اسکی قیامت شروع ہوجاتی ہے۔ یعنی جس دن انسان اس دنیا سے منتقل ہوتا ہے اور زمین کے بطن میں جاتا ہے وہیں سے آخرت کا دن شروع ہوجاتا ہے۔ اسی لئے آخرت پر ایمان لانے میں قبر کے عذاب اور اسکی نعمت پر ایمان لانا بھی شامل ہے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ) ترجمہ: بیشک قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۶۰)۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں ان سب پر ایمان لانا واجب ہے۔

چھٹا رکن: تقدیر کے خیر وشر پر ایمان لانا: بایں طور کہ اللہ نے جو چاہا وہ ہوا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ) ترجمہ: اور یہ جان لو کہ جو کچھ تمہیں پہنچا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ نہ پہنچتا، اور جو کچھ تمہیں نہیں پہنچا وہ ایسا نہیں کہ تمہیں پہنچ جاتا۔ (سنن ابی داود: ۴۶۹۹)۔

اگر بندہ تقدیر کے باب میں اسی قدر ایمان لے آئے تو اسکے لئے کافی ہے، اسلئے کہ تقدیر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، جیسا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تقدیر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اسے عام مت کرو۔ (تاریخ دمشق: ۴۲ / ۵۱۳)۔

یعنی آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ سوال کریں کہ رب تعالی نے ایسا کیوں کیا، اس نے کیوں پیدا کیا اور کیوں زندہ کیا، اور کیوں موت دیا؟ اور اسی طرح کیوں فلاں کو مال دار بنایا اور فلاں کو فقیر بنایا؟ اسی طرح فلاں خو کیوں بیمار بنایا اور فلاں کو صحت یاب؟ یہ سب اللہ کے رازوں پر بحث ومباحثہ کرنا ہے حالانکہ ارشاد باری تعالی ہے: (لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ) ترجمہ: اس سے نہیں پوچھا جاتا اس کے متعلق جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جاتا ہے۔ (الانبیاء: ۲۳)۔

چنانچہ جس طرح اسماء وصفات کے باب میں آپ یہ سوال نہیں کر سکتے کہ اسکی کیا کیفیت ہے، یا وہ کیسے سنتا ہے، کیسے دیکھتا ہے، کیسے مستوی ہے یا وہ کیسے آتا ہے؟ اسی طرح تقدیر کے باب میں بھی اس طرح کا سوال کرنا جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ایسا کیوں کیا؟

ضروری ہیکہ طلبہ اس سے متنبہ رہیں، کیونکہ یہیں پر لوگوں کے قدم پھسلتے ہیں، چنانچہ عام وخاص سب کیلئے صرف یہی ایمان لانا کافی ہیکہ اللہ کی بادشاہت میں اس کی مشیئت کے بغیر کچھ ہوتا نہیں ہے، اللہ کو ساری چیزوں کا علم ہے جنہیں اس نے لکھ کر رکھا ہے پھر اسی علم اور تحریر کی بنیاد پر اسکا فیصلہ مقدر ہوتا ہے اور ہم سب اسی تقدیر اور فیصلے تحت چلتے ہیں۔

اسی معنی میں امام شافعی رحمہ اللہ نے کہتے ہیں:

مَا شِئْتَ كَانَ وإنْ لم أشَأْ

وَمَا شِئْتُ إن لَمْ تَشأْ لَمْ يكنْ

خَلقْتَ العِبَادَ لِمَا قَدْ عَلِمْتَ

فَفِي العِلْمِ يَجري الفَتَى وَالْمُسِنْ

عَلَى ذَا مَنَنْتَ وَهَذا خَذلْتَ

وذاكَ أعنتَ وذا لم تعن

وهذا شَقِيٌّ وهذا سَعِيد

وهذا قَبِيحٌ وهذا حَسَنْ

ترجمہ: جو تو نے چاہا وہ ہوا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔

بندوں کی تخلیق اپنے علم کے مطابق کیا، سو اسی علم سے بوڑھے نوجوان سب چلتے ہیں۔

اُس پر تو نے احسان کیا اور اِسے ذلیل کیا، اسکی تو نے مدد کی اور اسکی مدد نہیں کی۔

یہ بد بخت ہے اور وہ نیک بخت، یہ قبیح ہے اور وہ اچھا۔

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ ان اشعار کو گنگنا کر اپنے نفس کو اللہ کی تقدیر اور اسکے فیصلے کی یاد دلاتے رہتے تھے یہ کہ ہر چیز کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

یہاں پر جبریوں کا سوال اٹھتا ہے؟

کیا بندہ مجبور محض ہے؟

جواب: نہیں، بلکہ اللہ نے بندوں کو پیدا کیا، ساتھ ہی ان کی قدرت، ارادہ اور اختیار کو بھی

پیدا کیا،ان کے پاس رسولوں کو بھیجا،انہیں دونوں راستے بتا دیئے گئے،ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا، پھر انہیں عمل کا اختیار دے دیا گیا، چنانچہ اب جو کچھ بھی بندہ کرتا ہے وہ اپنے اختیار، قدرت اور ارادے سے کرتا ہے، اسے نہیں معلوم کہ اسکے حق میں کیا فیصلہ ہوا ہے، اور نہ ہی بندے کو اسکے پیچھے پڑنے کی ضرورت ہے، بلکہ وہ صرف اوامر اور نواہی پر اپنے آپ کو مرکوز رکھے،سو اسے چاہئے کہ وہ نماز ادا کرے اسلئے کہ اللہ نے اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، محرمات سے بچے اسلئے کہ اللہ نے اسے محرمات سے بچنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح تمام اوامر اور نواہی میں پابندی کرے۔

لیکن جو یہ کہتے ہیں کہ بندہ مجبورمحض ہے، اسے کوئی قدرت نہیں ہے، یا یہ کہ اسکی قدرت بے عمل ہے کیوں کہ اسے کوئی ارادہ حاصل نہیں ہے۔ یہ لوگ گمراہ فرقہ جبریہ سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں میں اشاعرہ بھی ہیں، کیونکہ اشاعرہ کے اندر مرجئہ، جہمیہ اور جبریہ سارے گمراہ فرقوں کے جراثیم موجود ہیں، اور اس وقت یہی مسلمانوں میں اکثریت ہیں، جن کے تعلق سے ہمارے اکثر نوجوان نہیں جانتے ہیں، اسی لئے ہمارے نوجوانوں پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول صادق آتا ہے :(إنما تنقض عرى الإسلام عروة عروة إذا نشأ في الإسلام من لم يعرف الجاهلية) ترجمہ: یقینا اسلام کا کڑا ایک ایک کرکے ٹوٹتا جائے گا جب اسلام کے اندر ایسے لوگ پیدا ہوتے جائیں گے جنہیں جاہلی امور کا علم نہیں ہوگا۔

کیونکہ اس وقت ہمارے نوجوانوں پر جاہلیت ہنس رہی ہے: لیکن تصوف کی جاہلیت ہے، لیکن علم کلام کی اور کہیں دستور کی جاہلیت ہے، یہ ساری جاہلیتیں کام کر رہی ہیں اور ہمارے نوجوان

فطری طور پر دین اسلام میں پیدا ہوئے انہیں ان ساری جاہلیتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے، سوان تمام جاہلیتوں کے مبلغین آکر اسلام کاز کے نام پر جماعت نوجوانوں پر ہنستے ہیں اور بیوقوف بناتے ہیں، اور یہ بھولے نوجوان انکی تصدیق کر کے صحیح راہ بھٹک جاتے ہیں اور ایسے چوراہے پر پہونچ جاتے ہیں جہاں حیران و پریشان نظر آتے ہیں، اس وقت انہیں صحیح علم شرعی کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا ہے۔

اسی لئے میں نوجوانوں کو علمی حلقوں کی پابندی کرنے اور طلب علم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ علوم شرعیہ کا سیکھنا عظیم تقرب الہی ہے، اس لئے علم حاصل کرو تا کہ جہالت سے چھٹکارا پاؤ، اور خود کو جاہلیت کے حوالے نہ کرو، اس وقت کہیں پر ارجاء کی جاہلیت ہے، لیکن جبریت کی جاہلیت ہے، کہیں پر تصوف کی جاہلیت ہے تو کہیں پر جہمیت کی جاہلیت ہے، اور انکے علاوہ بھی بہت ساری جاہلیتوں کا سامنا ہے جو دور حاضر کی آزادی کے نام پر چل رہی ہیں، اور دنیا اس وقت ایک چھوٹی بستی کی مانند ہوگئی ہے جہاں خیر وشر کی کوئی تمیز نہیں ہے سو اس وقت خیر وشر میں تمیز وہی کر سکتا ہے جسے اللہ تعالی دینی بصیرت عطا کر دے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

المرتبة الثالثة: الإحسان ركن واحد: وهو أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ} النحل آية ١٢٨، وقَوْلُهُ تَعَالَى: {وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ - الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ - وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ - إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ} الشعراء آية ٢١٧ - ٢٢٠ وقَوْلُهُ تَعَالَى: {وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ} يونس آية ٦١.

ترجمہ: تیسرا درجہ: احسان۔اس کا ایک ہی رکن ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ آپ اللہ کی عبادت اس طرح کریں، گویا آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔اگر یہ تصور پیدا نہیں کر سکتے، تو اتنا خیال ضرور رکھیں کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے۔سورہ النحل آیت: ۱۲۸۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ، جو تجھے دیکھتا رہتا ہے، جب تو کھڑا ہوتا ہے، اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی۔وہ بڑا سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔سورہ الشعراء آیت: ۲۱۷-۲۲۰۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: اور آپ کسی حال میں ہوں اور من جملہ ان احوال کے آپ کہیں

سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو کام بھی کرتے ہو، ہم کو سب کی خبر رہتی ہے، جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ سورہ یونس آیت: ۶۱۔

الشرح:

اسی کو مراقبہ کہتے ہیں، وہ خاص اور سچا مراقبہ جس میں بندہ اپنے رب کا مراقبہ کرتا ہے اور ہمہ وقت یہ یاد رکھتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اسکی جگہ کہ نگرانی کر رہا ہے، اسکی باتوں کو سن رہا ہے، اسکے دل کے رازوں کو جانتا ہے، یہی مراقبہ انسان کو معاصی کے ارتکاب کے دور رکھتا ہے، اللہ کی یاد سے غفلت اور اس سے بے رغبت ہو کر غیر اللہ کی طرف لو لگانے سے بچاتا ہے، اس ایمان کی وجہ سے کہ اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے گرچہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتا ہے، کیونکہ اللہ کو دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا، اللہ تمام مخلوق سے اوپر، ساتوں آسمانوں سے فوق تر عرش پر مستوی ہے، مخلوق سے جدا ہے، اس دنیا کے اندر نور حجاب میں ہے، موسی علیہ السلام نے روئے باری تعالی کا مطالبہ کیا تھا مگر وہ بھی دیکھ نہ سکے، اور صحیح قول کے مطابق ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی معراج کی رات میں نہیں دیکھ سکے تھے، صرف نور الہی کو دیکھا تھا، کیونکہ معراج کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ تو فرمایا کہ وہ نور ہے اسے میں کہاں دیکھ سکتا۔ (صحیح مسلم: ۱۷۸)۔ سو اللہ کا حجاب نور ہے، اسے دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

یہی توجیح زیادہ راجح ہے گرچہ صحابہ کرام کا اس میں اختلاف ہے، کیونکہ بعض صحابہ معراج کی

رات میں رویت کے قائل ہیں۔لیکن بعض اہل علم نے صحابہ کرام کے آراء میں یہ تطبیق دی ہے کہ جن صحابہ کا یہ کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو دیکھا تھا اس سے قلبی رویت مراد ہے، کیونکہ اس دنیا میں اللہ نور حجاب میں ہے، انسانی نگاہیں اسے دیکھنے پر قادر نہیں ہیں۔(تفسیر طبری:۷/۳۰۱)۔

اسکی سب سے بڑی دلیل حدیث دجال کا وہ ٹکڑا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کو یہ کن دیکھ سکتے یہاں تک کہ مرجاؤ۔(فتح الباری:۷۰۸)۔

یہ سب سے واضح دلیل ہیکہ انسان اس دنیا میں اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، البتہ اللہ تعالی قیامت کے روز بندوں کو وہ قوت دے گا جسکی وجہ سے وہ وہاں پر اسے جنت میں دیکھ سکیں گے، چنانچہ اس وقت جس طرح ایمان رکھتے ہیں بلاکسی احاطہ اور تاویل کے اسی طرح جنت خ ین بغیر کسی رکاوٹ کے دیکھیں گے، کیونکہ کوئی مخلوق خالق کا احاطہ نہیں کرسکتا، خالق ہی تمام مخلوق کو محیط ہے اور وہی مخلوق سے متعلق تمام امور کو جانتا ہے۔

شیخ نے کہا:(اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے۔سورہ النحل آیت:۱۲۸۔)۔

اس آیت میں جس معیت کا ذکر ہے اس سے معیت خاصہ مراد ہے، یعنی اللہ تعالی خصوصی طور پر پرہیزگاروں کے ساتھ ہے، جنہوں نے تقوی اور پرہیزی کو اپنے اور اپنے رب کے غضب اور ناراضگی کے درمیان آڑ بنا رکھا ہے، اسکے اوامر کی بجا آوری کرکے اور نواہی سے اجتناب کرکے، اور یہی سچا مراقبہ ہے۔

جبکہ آیت کے اندر احسان سے مراد یہ ہیکہ یہ لوگ اللہ کی عبادت اخلاص اور سچے مراقبہ کے ساتھ کرتے ہیں، ساتھ ہی اللہ کے بندوں کے ساتھ بھی احسان کرتے ہیں۔

اور احسان کا معنی بہت عام ہے، لیکن انسان والے کچھ خاص ہی بندے ہیں، یعنی احسان ہر نیکی اور بھلائی کو کہتے ہیں اس طور پر اسکا معنی بہت عام ہے لیکن محسنین جو اس مقام پر فائز ہیں وہ بہت ہی کم اور چنندہ ہیں سارے مومن اس میں شامل نہیں ہیں۔

اللہ تعالی نے جن چنندہ مومنوں کو احسان کے مرتبے کی توفیق دی ہے انہیں لوگوں کو معیت خاصہ نصیب ہے، جس کے اندر معیت عامہ کے ساتھ ساتھ نصرت وتائید اور حفاظت ونگرانی بھی میسر ہوتی ہے، جب کہ معیت عامہ کے اندر علم، رویت اور تربیر عام پایا جاتا ہے جو کہ تمام مخلوق کو حاصل ہے۔ اس طرح اللہ کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے، حالانکہ اللہ تعالی تمام آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہے اور مخلوق سے جدا ہے۔

اسی لئے جب یہ کہا جائے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو ذہن میں یہ بات نہیں انی چاہئے کہ زمین میں اللہ تعالی اپنی ذات کے ساتھ ہمارے ساتھ ہے، اللہ تعالی مخلوقات کے ساتھ معیت ذاتیہ سے پاک ہے، نہ ہی زمین والوں کے ساتھ اور نہ آسمان والوں کے ساتھ یعنی اللہ اپنی ذات کے ساتھ نہ تو زمین میں ہے اور نہ ہی آسمان میں، بلکہ وہ اپنی ذات کے ساتھ تمام مخلوق سے اوپر ہے، نہ ہی اسکی ذات میں اسکی کوئی مخلوق ہے اور نہ ہی اسکی ذات میں سے کچھ اسکی کسی مخلوق میں ہے۔

معیت خاصہ کی مثال جیسے کہ دل کہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

غارِ ثور میں حاصل تھی، جیسا کہ ارشاد ہے: (ان اللہ معنا) ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (التوبہ: ۴۰)۔یعنی اللہ نے ان دونوں کی حفاظت ونگرانی اور خصوصی رعایت سے نوازا، نیز دونوں کو دشمنوں کی آنکھوں سے پرے رکھا۔

آگے شیخ نے کہا: (اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ، جو تجھے دیکھتا رہتا ہے، جب تو کھڑا ہوتا ہے،اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی۔ وہ بڑا سننے والااور خوب جاننے والا ہے۔سورہ الشعراء آیت: ۲۱۷-۲۲۰۔)۔

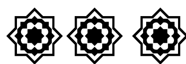
یہ آیتیں دراصل احسان کے اس معنی میں ہے کہ آپ اللہ کی عبادت اس طرح کریں، گویا آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔اگر یہ تصور پیدا نہیں کر سکتے، تو اتنا خیال ضرور رکھیں کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔

ان آیتوں سے یہ محل شاید ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: اور آپ کسی حال میں ہوں اور من جملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو کام بھی کرتے ہو، ہم کو سب کی خبر رہتی ہے، جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔سورہ یونس آیت: ۶۱۔)۔

یعنی اس وقت ہم تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔اس طرح اللہ نے اپنے لئے کبھی ضمیر عظمت کا استعمال کیا ہے اور کبھی ضمیر افراد کا، اسلئے کبھی یہ ذہن میں جائے کہ (انا) یا (نحن) کی ضمیر سے تعدد اور کثرت کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ یہ عربی اسلوب ہے، خود مخلوق اپنے لئے اس طرح کا اسلوب استعمال کرتی ہے، چنانچہ ایک ہہ شخص ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہم نے ایسا کیا۔ہم وہاں گئے، ہم

یہاں آئے۔ حالانکہ وہ ایک ہی فرد ہوتا ہے، سو یہ ایک معروف عربی اسلوب ہے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالدَّلِيلُ مِنَ السُّنَّةِ) : حَدِيثُ جِبْرِيلَ الْمَشْهُورُ عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "قَالَ بينما نحن جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ فَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الإِسْلامِ فَقَالَ: أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لا اله إِلا اللهُ. وَأَنَّ محمدا صلى الله عليه وسلم رَسُولُ اللهِ، وَتُقِيمَ الصَّلاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلا قَالَ: صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ: أَخْبِرْنِي عَنِ الإِيمَانِ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وملائكته و كتبه ورسله واليوم الآخر وبالقدر خيره وشره قَالَ: أَخْبِرْنِي عَنِ الإِحْسَانِ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ: أَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ. قَالَ: أخبرنى عَنْ أَمَارَاتِهَا قَالَ: أَنْ تَلِدَ الأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ: فَمَضَى فَلَبِثْنَا مَلِيًا فَقَالَ: يَا عُمَرُ أَتَدْرُونَ مَنِ السَّائِلِ؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: هَذَا جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ".

ترجمہ: اور سنت سے دلیل عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور حدیث ہے، جو حدیث

جبریل کے نام سے مشہور ہے۔وہ کہتے ہیں:

”ایک دن ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص وارد ہوا۔اس کے کپڑے بہت ہی سفید اور اس کے بال بڑے ہی کالے تھے۔اس پر سفر کے نشانات دکھائی نہیں دے رہے تھے اور اسے ہم میں سے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گیا۔اس نے اپنے دونوں گھٹنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں گھٹنوں کے ساتھ ملائے، اپنی ہتھیلیوں کو آپ کی رانوں پر رکھا اور آپ سے دریافت کیا: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے! آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور اس بات کی گواہی دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے، زکوۃ دے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے، بشرطیکہ اس کی طرف سفر کی طاقت ہو۔اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔اس پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص آپ سے دریافت بھی کر رہا ہے اور پھر آپ کی تصدیق بھی کر رہا ہے۔

اس نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں۔آپ نے فرمایا: تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور بھلی بری تقدیر پر ایمان رکھے۔اس نے کہا: آپ کی باتیں درست ہیں۔اس نے دریافت کیا کہ مجھے احسان کے بارے میں بتائیں۔آپ نے فرمایا: تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا ہے، تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔اسے نے کہا کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتائیں۔آپ نے جواب دیا: قیامت کا علم مجھے تجھ سے زیادہ نہیں ہے۔اس نے کہا: مجھے قیامت کی علامتوں کے بارے میں

بتائیں۔آپ نے فرمایا: لونڈی کا اپنی مالکن کو جنم دینا اور تم یہ دیکھو کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، کنگال اور بکریوں کے چرواہے محلات کی تعمیر میں فخر و مباہات کے طور پر مقابلہ کرنے لگیں ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اتنا سننے کے بعد وہ چل پڑا۔ کچھ دیر تک ہم وہیں رہے۔ پھر آپ نے کہا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ پوچھنے والا کون تھا؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو بہتر معلوم ہے۔آپ نے کہا: یہ جبریل تھے، جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔" (صحیح مسلم: ۸)۔

الشرح:

یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور حدیث ہے، جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے۔اس عظیم حدیث کے اندر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام، ایمان اور احسان کی وضاحت کی ہے اور انہیں تینوں کا نام دین ہے۔

آپ نے فرمایا: ("ایک دن ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص وارد ہوا، اس کے کپڑے بہت ہی سفید اور اس کے بال بڑے ہی کالے تھے)۔

بعض روایتوں میں وارد ہوا ہیکہ اس کی داڑھی سیاہ تھی، اس طرح جبریل علیہ السلام ایک کالی داڑھی والے انسان کی شکل میں آئے تھے۔(صحیح ابن حبان: ۱/ ۳۹۰)۔

آگے کہا: (اس پر سفر کے نشانات دکھائی نہیں دے رہے تھے اور اسے ہم میں سے کوئی

جانتا بھی نہ تھا)۔

یعنی صحابہ نے آپس میں ایک دوسرے سے سوال کیا کہ کیا کوئی اس اجنبی بندے کو جانتا ہے جس پر سفر کے نشانات دکھائی نہیں دے رہے ہیں، جبکہ وہ پیدل چل کر آیا ہے، اور مفروض یہی ہیکہ اگر کوئی اجنبی شخص کہیں سے پیدل چل کر آئے تو اس پر سفر کی نشانیاں ہونی چاہیئے۔

آگے کہا: (وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گیا۔اس نے اپنے دونوں گھٹنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں گھٹنوں کے ساتھ ملائے)۔

اور بعض روایتوں میں وارد ہوا ہیکہ وہ سب کو پھلانگ کر گیا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔(سنن دارقطنی: ۲/ ۲۸۲)۔

بعض اہل علم نے کہا کہ بظاہر یہی لگتا ہیکہ اس سے اپنے معاملے کو مزید مجہول بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ لوگوں میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ یہ کوئی سخت دل گنوار دیہاتی ہے، اسی لئے لوگوں کو پھلانگتے ہوئے بالکل اگلی صف میں جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ (فتح الباری: ۱/ ۱۱۶)۔

اسی چیز نے سارے صحابہ کی نظروں کو اس شخص کی طرف متوجہ کر دیا، کیونکہ صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کرنے کی وجہ سے آپ سے گھبراتے تھے، وہ اپنے گھٹنوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے پر ٹیک نہیں لگا سکتے تھے بلکہ تھوڑا ہٹ کر بیٹھتے تھے۔

آگے کہا: (اپنی ہتھیلیوں کو آپ کی رانوں پر رکھا)۔

یہاں دونوں رانوں سے کس کی ران مراد ہے؟ بعض شراح حدیث نے اس سے یہ سمجھا کہ

خود جبریل علیہ السلام نے اپنی ہتھیلیوں کو اپنی دونوں رانوں پر رکھ دیا۔ جبکہ بعض روایتوں میں اس بات کی صراحت موجود ہیکہ جبریل علیہ السلام نے اپنی ہتھیلیوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں رانوں پر رکھ دیا۔ (سنن دار قطنی: ۲ / ۲۸۲)۔

یہ سب جبریل علیہ السلام کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شفقت کا برتاؤ تھا کیونکہ جبریل علیہ السلام فی الواقع ایک معلم تھے، گرچہ ایک متعلم کی طرح بیٹھ گئے تھے، اور اسی اپنے ہاتھوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں رانوں پر رکھ دیا تھا۔

اور پھر اسکے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ سے دریافت کیا: (اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے! آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور اس بات کی گواہی دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے، زکوۃ دے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے، بشرطیکہ اس کی طرف سفر کی طاقت ہو۔ اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا)۔

اس پر راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص آپ سے دریافت بھی کر رہا ہے اور پھر آپ کی تصدیق بھی کر رہا ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ جواب پانے کے بعد سوال کرنے والا جزاک اللہ خیرا اور احسن اللہ الیک کہے، مگر وہ خود سوال کر رہا ہے اور پھر جواب پانے کے بعد اسکی تصدیق کر رہا ہے اسی لئے صحابہ کو تعجب ہوا کیوں کہ یہ طریقہ سائل کا نہیں ممتحن کا ہوتا ہے۔

پھر اسکے بعد ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور بھلی بری تقدیر پر ایمان رکھے)۔

اسکی تشریح گزر چکی ہے۔

پھر اس نے احسان کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا ہے، تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے)۔

یہ ہم بیان کر چکے کہ جو لوگ احسان کے درجے تک پہونچے ہوئے ہیں وہ چند چنندہ مومنوں کی جماعت ہے اس سے سارے مومنین مراد نہیں ہیں۔

پھر اسکے بعد قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: (قیامت کا علم مجھے تجھ سے زیادہ نہیں ہے)۔

یہاں پر دراصل جبریل علیہ السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا علم برابر ہے دونوں کو قیامت کا علم نہیں ہے، اسی لئے آگے سوال کیا کہ (مجھے قیامت کی علامتوں کے بارے میں بتائیں)۔

قیامت کی علامتیں بہت اور متفاوت ہیں، اور اسکی پہلی علامت خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ سهيل يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ وَالْوُسْطَى وَهُوَ يَقُولُ: "بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ هَكَذَا".

ترجمہ: سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ کرتے تھے اس انگلی سے جو نزدیک ہے انگوٹھے کے اور بیچ کی انگلی سے اور فرماتے تھے:

"میں قیامت کے ساتھ اس طرح بھیجا گیا ہوں۔" (صحیح مسلم: ۲۹۵۰)۔

اہل علم نے اس حدیث کی دو معنی بتلایا ہے:

پہلا معنی: گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں کہ میں قیامت سے قبل اسی طرح ہوں جس مقدار میں بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ہے۔ یعنی میری بعثت اور قیامت قریب قریب ہیں۔

دوسرا معنی: قیامت میری بعثت اور رسالت سے اسی طرح جڑی ہوئی ہے جس طرح بیچ کی انگلی اور انگوٹھا جڑے ہوئے ہیں بایں طور کہ دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں آئے گا۔ کیونکہ آپ خاتم ہیں۔

دونوں معنوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ دونوں کا مفہوم تقریبا ایک ہے اسلئے کہ دونوں کا مقصد قرب قیامت کا بتلانا ہے۔

پھر اسکے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ علامتوں کی خبر بھی دی ہے جو کہ پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہیں جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (لونڈی کا اپنی مالکن کو جنم دینا)۔

اہل علم کے اس جملے کی تفسیر اور مراد میں سات اقوال ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسکا خلاصہ چار اقوال میں پیش کیا ہے اور ایک کو راجح کہا ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ۱۲۲)۔

چنانچہ راجح یہی ہے جسکی طرف عوام کا ذہن فورا جاتا ہے کہ اسلامی فتوحات کی کثرت کی وجہ سے لونڈیوں کی کثرت ہو جائے گی، کوئی لونڈی اپنے آقا سے لڑکا یا لڑکی جنے گی، پھر یہی لڑکا بعد

میں چل کر اسکے آقا کے درجے میں ہو جائے گا، کیونکہ لڑکا آزاد ہوتا ہے اور پھر باپ کے بعد یہی اس لونڈی کا مالک ہوگا۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس قول کو پسند نہیں کیا ہے کیونکہ جن علامات کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرنا چاہتے ہیں انکے بارے میں اس وقت کے لوگ نہیں جانتے تھے جب کہ لونڈیوں کا رکھنا اس وقت عام تھا، اور یہ چیز آغاز اسلام میں بھی معروف تھی۔

پھر آخر وہ غریب معنی آخر کیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور قیامت کی علامت کے بتانا چاہا ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ والدین کی نافرمانی بہت ہوگی، ایک اولاد اپنے والدین کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جیسا سلوک ایک آقا اپنی لونڈی کے ساتھ کرتا ہے یعنی گالی دینا، مارنا پیٹنا اور کام لینا اور مختلف طریقے سے ذلیل ورسوا کرنا۔ اس طرح مالک کا اطلاق مجازا کیا ہے، یارب سے مالک نہیں بلکہ مربی مراد ہے اس طرح حقیقی معنی ہو جائے گا، میرے نزدیک یہ بھی ایک وجیہ اور عمدہ مفہوم ہے۔

کیونکہ قیامت کے قریب ساری چیزیں الٹ جائیں گی، اور یہ دوسری علامت کے موافق بھی ہے جس میں ہیکہ ننگے پاؤں والے زمین کے مالک بن جائیں گے۔ (فتح الباری: ۱/ ۱۲۲)۔

آگے کہا: (یہ کہ لونڈی اپنی مالکن کو جنم دے گی، اور تم یہ دیکھو کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، کنگال اور بکریوں کے چرواہے محلات کی تعمیر میں فخر ومباہات کے طور پر مقابلہ کرنے لگیں

ہیں)۔

دیہات اور صحرا میں رہنے والے فقر و محتاجگی اور ننگے پاؤں ننگے بدن ہونے میں معروف ہیں، انہیں تہذیب اور سلیقہ نہیں ہوتا مگر یہی لوگ قرب قیامت میں بدل جائیں گے اور اپنے خیموں کی جگہ بڑی بڑی بلڈنگیں بنائیں گے، اور اپنے محلوں پر فخر کریں گے۔

یہ ہم دور حاضر میں دیکھ لیا ہے، اسی کی دہائی میں جس وقت خ ین جامعہ اسلامیہ مدینہ کے اندر تھا، حرہ شرقی میں خیموں کے علاوہ کچھ نہیں تھا جہاں پر بادیہ نشین رہتے تھے، لیکن آج سب کچھ بدل چکا ہے، خیموں کی جگہ اونچی اونچی بلڈنگیں بن چکی ہیں، یہ ساری چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سچ ثابت کر رہی ہیں۔

یہی معاملہ بعض افریقی ممالک کا بھی ہے کہ ستر کی دہائی سے قبل یعنی یورپی استعمار کے وقت عموما لوگ خیموں میں رہتے تھے، بلکہ ایک ملک کے پہلے صدر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ایک خیمے میں رہتا تھا اسی لیے اس نے اپنے صدارتی محل کو ایک خیمہ بنایا تھا، لیکن آج اس ملک میں اگر آپ جائیں گے تو وہاں کوئی خیمہ نہیں دیکھیں گے۔

آگے وارد ہوا ہے: (کچھ دیر تک ہم وہیں رہے۔ پھر آپ نے کہا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ پوچھنے والا کون تھا؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو بہتر معلوم ہے)۔

اللہ ورسولہ اعلم کا جملہ صرف دینی امور میں استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ دینی امور میں یقینا اللہ اور اسکے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، خواہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا معاملہ ہو یا وفات کے بعد، کچھ لوگ فرق کرتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے، ہاں اگر کوئی معاملہ دنیاوی ہے جیسے کہ کوئی بارش

نازل ہونے کے بارے میں پوچھے یا کسی ملک یا شہر کے حالیہ احوال کے بارے میں پوچھے اور معلوم نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں صرف (اللہ اعلم) کہے گا، کیوں کہ یہ معلومات صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ اسلئے دنیاوی اور دینی امور میں تفریق کرنا ضروری ہے۔

آگے فرمایا: (یہ جبریل تھے، جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے)۔

یہ کس قدر عظیم دین ہے کہ جس کیلئے خاتم النبین کو اللہ نے مبعوث کیا پھر فرشتوں میں ایک چنندہ فرشتے کو بھیجا تا کہ مذکورہ طریقے سے امت محمدیہ کو اسکا دین سکھا دے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الأَصْلُ الثَّالِثُ مَعْرِفَةُ نَبِيِّكُمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ، وَهَاشِمٌ مِنْ قُرَيْشٍ، وَقُرَيْشٌ مِنَ الْعَرَبِ، وَالْعَرَبُ مِنْ ذُرِّيَّةِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ عَلَيْهِ وَعَلَى نَبِيِّنَا أَفْضَلُ الصَّلاةِ وَالسَّلامِ.

وَلَهُ مِنَ الْعُمُرِ ثَلاثٌ وَسِتُّونَ سَنَةً مِنْهَا أَرْبَعُونَ قَبْلَ النُّبُوَّةِ وَثَلاثٌ وعشرون نبيا رسولا.

ترجمہ: تیسری بنیادی بات: تمہارا اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا۔

ہمارے نبی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہاشم کا تعلق قریش سے تھا اور قریش ایک عرب قبیلہ تھا اور عرب خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے اسماعیل علیہا السلام کی نسل سے ہیں۔ ان پر اور ہمارے نبی پر درود وسلام ہو۔

آپ کو تریسٹھ سال کی عمر ملی۔ چالیس سال نبوت سے پہلے بسر ہوئے اور تیئس سال نبی و رسول بننے کے بعد۔

الشرح:

یہاں پر شیخ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب بیان کیا ہے، سونو جوانوں پر واجب ہیکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ عدنان تک یاد کریں، جو کہ کتب انساب میں ثابت ہے، یہاں

تک محل اتفاق ہے، اسکے بعد محل خلاف ہے۔

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نسب کے اعتبار سے نبی امی عربی ہیں، لیکن آپ کی رسالت تمام انس وجن کیلئے عام ہے۔

شیخ نے کہا: (آپ کو تریسٹھ سال کی عمر ملی)۔

یہ بھی محل اتفاق ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (چالیس سال نبوت سے پہلے بسر ہوئے)۔

یہ اللہ کی سنت ہے کہ نبوت اسی عمر میں عطا کرتا ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور تیئس سال نبی ورسول بننے کے بعد)۔

نبوت رسالت سے پہلے ہے۔

نبی اور رسول میں کیا فرق ہے، اس میں اہل علم کھ کئی اقوال ہیں:

۱- نبی وہ ہے جسے رسالت دیکر بھیجا گیا ہو عمل کرنے کیلئے اور اسے تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ہو۔

۲- نبی وہ ہے جسکے پہلے سے موجود رسالت پر عمل کیلئے بھیجا گیا ہو اسکی اپنی مستقل رسالت نہ ہو، جیسے کہ بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء آئے، جو تورات اور انجیل پر عمل کرتے تھے۔

دوسری تعریف زیادہ مناسب جب کہ پہلی تعریف زیادہ مشہور ہے، جب کہ اس پر ملاحظہ یہ ہیکہ اس میں تبلیغ کا حکم نہیں ہے، جب کہ لوگوں کی اصلاح کی خاطر دعوت وتبلیغ انبیاء اور انکے وارثوں کا واجب اور مشن رہا ہے، جب انکے وارثین علماء تبلیغ کے مکلف ہیں تو انبیاء کیوں نہیں ہوں گے وہ تو بدرجہ اولی ہوں گے۔

اسی لئے پہلی تعریف گرچہ بہت سارے اہل علم کے یہاں مشہور ہے لیکن دوسری تعریف ہی معنی کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ بہت سارے انبیائے بنی اسرائیل جو رسول نہیں تھے مگر وہ تورات اور انجیل کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کے مکلف تھے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

نبئ باقرأ. وأرسل بالمدثر. وَبَلَدُهُ مَكَّةُ بَعَثَهُ اللهُ بِالنِّذَارَةِ عَنِ الشِّرْكِ ويدعو إِلَى التَّوْحِيدِ۔

ترجمہ: آپ سورۂ علق کی ابتدائی آیتوں کے ذریعے نبی بنائے گئے اور سورۂ مدثر کے ذریعے رسول۔ آپ کی پیدائش سرزمین مکہ میں ہوئی تھی۔ اللہ نے آپ کو شرک سے ڈرانے والا اور توحید کی جانب بلانے والا بنا کر بھیجا تھا۔

الشرح:

نبی انباء اور اخبار سے ہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے پہلے نبوت اللہ کے قول (اقرا) کے ساتھ آئی تھی، جس وقت اللہ تعالی نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا تھا جنہوں نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: (اقرأ) یعنی پڑھیے۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: "أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ، فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ

وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ الْمَلَكُ، فَقَالَ: اقْرَأْ، قَالَ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، قَالَ: فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اقْرَأْ، قُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اقْرَأْ، فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ:" اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ {1} خَلَقَ الإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ {2} اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ {3}" سورة العلق آية 1-3، فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ، فَدَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَقَالَ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ، فَقَالَ لِخَدِيجَةَ، وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ: لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي، فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى ابْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ، وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ، فَيَكْتُبُ مِنَ الإِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ، وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ، فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ: يَا ابْنَ عَمِّ، اسْمَعْ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: يَا ابْنَ أَخِي، مَاذَا تَرَى، فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللَّهُ عَلَى مُوسَى

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا، لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ، قَالَ: نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا، ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا ابتدائی دور اچھے سچے پاکیزہ خوابوں سے شروع ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح صحیح اور سچا ثابت ہوتا۔ پھر من جانب قدرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی پسند ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں خلوت نشینی اختیار فرمائی اور کئی کئی دن اور رات وہاں مسلسل عبادت اور یاد الٰہی و ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ جب تک گھر آنے کو دل نہ چاہتا توشہ ہمراہ لیے ہوئے وہاں رہتے۔ توشہ ختم ہونے پر ہی اہلیہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور کچھ توشہ ہمراہ لے کر پھر وہاں جا کر خلوت گزیں ہو جاتے، یہی طریقہ جاری رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق منکشف ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا ہی میں قیام پذیر تھے کہ اچانک جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد! پڑھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے پکڑ کر اتنے زور سے بھینچا کہ میری طاقت جواب دے گئی، پھر مجھے چھوڑ کر کہا کہ پڑھو، میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس فرشتے نے مجھ کو نہایت ہی زور سے بھینچا کہ مجھ کو سخت تکلیف محسوس ہوئی، پھر اس نے کہا کہ پڑھ! میں نے

کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں ۔فرشتے نے تیسری بار مجھ کو پکڑا اور تیسری مرتبہ پھر مجھ کو بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ پڑھو اپنے رب کے نام کی مدد سے جس نے پیدا کیا اور انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور آپ کا رب بہت ہی مہربانیاں کرنے والا ہے ۔پس یہی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السلام سے سن کر اس حال میں غار حرا سے واپس ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اس انوکھے واقعہ سے کانپ رہا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو ۔لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمبل اڑھا دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈر جاتا رہا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ سنایا اور فرمانے لگے کہ مجھ کو اب اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی اور کہا کہ آپ کا خیال صحیح نہیں ہے ۔اللہ کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں ۔ایسے اوصاف حسنہ والا انسان یوں بے وقت ذلت وخواری کی موت نہیں پا سکتا۔

پھر مزید تسلی کے لیے خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو ان کے چچازاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت میں نصرانی مذہب اختیار کر چکے تھے اور عبرانی زبان کے کاتب تھے، چنانچہ انجیل کو بھی حسب منشائے خداوندی عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے ۔(انجیل سریانی زبان میں نازل ہوئی تھی پھر اس کا ترجمہ عبرانی زبان میں ہوا۔

ورقہ اسی کو لکھتے تھے) وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے یہاں تک کہ ان کی بینائی بھی رخصت ہو چکی تھی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیے اور کہا کہ اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی ذرا ان کی کیفیت سن لیجیئے وہ بولے کہ بھتیجے آپ نے جو کچھ دیکھا ہے، اس کی تفصیل سناؤ۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از اول تا آخر پورا واقعہ سنایا، جسے سن کر ورقہ بے اختیار ہو کر بول اٹھے کہ یہ تو وہی ناموس (معزز راز دان فرشتہ) ہے جسے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی دے کر بھیجا تھا۔ کاش، میں آپ کے اس عہد نبوت کے شروع ہونے پر جوان عمر ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تعجب سے پوچھا کہ کیا وہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ (حالانکہ میں تو ان میں صادق و امین و مقبول ہوں) ورقہ بولا ہاں یہ سب کچھ سچ ہے۔ مگر جو شخص بھی آپ کی طرح امر حق لے کر آیا لوگ اس کے دشمن ہی ہو گئے ہیں۔ اگر مجھے آپ کی نبوت کا وہ زمانہ مل جائے تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔ مگر ورقہ کچھ دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔ پھر کچھ عرصہ تک وحی کی آمد موقوف رہی۔ (صحیح بخاری: ۳)۔

انبیاء اور انکے صالح پیروکاروں اور مصلحین امت کے تعلق سے اللہ کی یہ سنت رہی ہے کہ انہیں تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کو ہوتی ہے پھر اسی اعتبار سے جو انکے قریب ہوتا ہے۔

اللہ اس بات پر قادر تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر کے اہل مکہ میں سے ہر ایک

کو آپ کا تابع بنا دیتا اسی طرح جیسے کہ ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تھے، سب اسی طرح مطیع وفرمانبردار ہو جاتے، لیکن یہ اللہ کی حکمت تھی کہ انہیں آزمائش میں ڈالا جائے یہاں تک کہ ان مارا ستایا گیا، انہیں گھاٹی خ ین محصور کیا گیا، حتی کہ بستی سے نکالا گیا، اور بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے، یہ سب اسلئے تھا تا کہ آپ کی شان بلند ہو، اجر میں اضافہ ہو، اور بین دوسری حکمتیں ہوں گی جنہیں ہم نہیں جانتے، اسلئے کہ اللہ جو بھی کرتا ہے اسکی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، اور اسکے بندے کبھی اللہ کے کسی کام کی حکمت کا پتہ لگا لیتے ہیں اور کبھی کسی الٰہی کام کی حکمت کا ادراک نہیں کر پاتے، سو اگر ہمیں کسی الٰہی فعل یا حکم کی حکمت کا ادراک ہو جائے کسی نص کی روشنی میں یا استدلال واستنتاج کی روشنی میں تو اس سے ہمارے ایمان میں خاطر خواہ اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر ادراک نہ ہو سکے تو پھر اس وقت اسی طرح ایمان لانا اور اسکی تصدیق کرنا واجب ہوتا ہے جیسا کہ شریعت میں وارد ہوا ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور سورۂ مدثر کے ذریعے رسول بنایا گیا)۔

یعنی جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ مدثر نازل ہوئی اس وقت آپ رسول ہو گئے: ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ [1] قُمْ فَأَنْذِرْ) ترجمہ: اے کپڑا اوڑھنے والے [1] کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے۔ (المدثر: ۲)۔

انذار اور آگاہ کرنا کہتے ہیں ایسے شخص کو جو کوئی ایسا کام کرے جس پر تنبیہ اور آگاہ کیا جائے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا آغاز تھا، جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول دونوں ہو گئے۔

آگے شیخ نے کہا: (آپ کی پیدائش سرزمین مکہ میں ہوئی تھی۔ اللہ نے آپ کو شرک سے ڈرانے والا)۔

انذار کہتے ہیں کہ کسی کام سے آگاہ کرنا ڈرا کر، اور اگر مطلق خبر دینا اور آگاہ کرنا ہو جس میں کوئی دھمکی اور ڈرانا شامل نہ ہو تو اسے انذار نہیں کہیں گے، اسی لئے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صفات سے متصف کیا ہے: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا [45] وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا) ترجمہ: اے پیغمبر ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے [45] اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن۔ (الاحزاب: ۴۶)۔

یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض اور اعمال کی طرف اشارہ کر رہی ہے جنکی وجہ سے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے، اور جسکا حکم آپ نے اپنے پیروکاروں کو بھی دیا ہے تا کہ وہ بھی اسی طرح جنت کی خوشخبری دینے والے اور عذاب الہی سے ڈرانے والے اور علم و بصیرت کی روشنی میں اللہ کے دین کے داعی بن جائیں۔

آگے شیخ نے کہا: (اور توحید کی جانب بلانے والا بنا کر بھیجا تھا)۔

یعنی اپنی دعوت کو توحید سے آغاز کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ کے پیروکاروں کی دعوت صرف توحید تک خاص نہیں ہے بلکہ دعوت کی بنیاد اور آغاز ہے اسی لئے اسی پر ترکیز ہے۔

اور یہاں توحید سے مراد توحید عبادت ہے اور یہی محل اختلاف ہے، اور جہاں تک توحید

ربوبیت کا تعلق ہے تو اسکا اعتراف پہلے بھی لوگ کرتے تھے، اس میں کافر اور مومن سب برابر ہیں، جیسا کہ اللہ نے مشرکین عرب کے بارے میں خبر رہتے ہوئے فرمایا: (وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ) ترجمہ: اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو بول اُٹھیں گے کہ اللہ نے۔ کہہ دو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن ان میں اکثر سمجھ نہیں رکھتے۔ (لقمان: ۲۵)۔

چنانچہ مشرکین میں ایسا کوئی نہیں تھا جو یہ دعوی کرے کہ آسمان وزمین کی پیدائش میں کوئی دوسرا شریک ہے، یا انکی تدبیر کرنے یا ان میں تصرف کرنے میں کوئی اسکا ساجھی ہے، لیکن تعجب ہے کہ آج کل کے صوفیاء توحید ربوبیت میں شرک کرتے ہیں جب کہ مشرکین عرب توحید ربوبیت کے قائل تھے۔

بعض صوفی سلسلے میں یہ اعتقاد ہیکہ اگر شیخ طریقت زندہ ہے تو وہ خدمت میں مشغول ہے، یعنی عبادت میں مشغول ہے، اور جب وفات ہوجاتی ہے تو کائنات میں تصرف کرنے کیلئے فارغ ہوجاتا ہے، پھر اپنے پیروکاروں کی روزی، عمر اور دیگر امور زندگی کی تدبیر وہی کرتا ہے۔

یہ لوگ اس طرح کی بکواس کرتے وقت اللہ رب العالمین کو بھول جاتے ہیں، یہ ساری باتیں انکی کتابوں میں موجود ہیں، جیسے کہ ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم، اسی طرح ابن الفارض اور ابن سبعین وغیرہ کی دوسری کتابیں، اس طرح انکی کتابوں میں اس طرح کے کفر صریح تک موجود ہیں جنکا ارتکاب کفار مکہ والوں نے بھی نہیں کی تھی، اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے وحدت الوجود والوں کے بارے میں کہا کہ یہ معلوم ہیکہ صوفیوں کا یہ عقیدہ بت پرستوں کے کفر

سے بھی بڑا کفر ہے۔(العقیدہ الصفدیہ،ص ۹۰)۔

کیونکہ بت پرستوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ میرے جبے میں سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے۔ یہ ابن عربی کا کلام ہے۔

طلبہ پر ضروری ہیکہ وہ ابن عربی نکرہ کے ساتھ اور ابن العربی معرفہ کے ساتھ دونوں میں فرق ملحوظ خاطر رکھیں، کیونکہ ابن العربی معرفہ کے ساتھ، یہ ایک معروف سنی مالکی عالم تھے جو اہل الحدیث کے ایک امام تھے، جبکہ ابن عربی نکرہ کے ساتھ، یہ صوفی تھا، جس نے وحدت الوجود کا عقیدہ ایجاد کیا ہے، یعنی کائنات کے اندر دوئی یعنی اثنیت کی نفی کی ہے، اسکا گمان ہیکہ کائنات میں صرف ایک ہی ذات ہے۔ جیسا کہ اس نے ایک جگہ کہا:

الرب حق والعبد حق

لیت شعری من المکلف

ترجمہ: رب بھی حق اور بندہ بھی حق ہے اب مجھے نہیں معلوم کہ مکلف کون ہے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ وہ توحید جسکی طرف انبیاء ورسل نے دعوت دی ہے اور جس کے لئے اپنی زندگی کھپادی ہے اور جس کے ذریعے اپنی قوموں پر حجت قائم کی ہے وہ توحید عبادت ہے، کیونکہ توحید ربوبیت کو تو سارے کفار مانتے تھے، وہ یہ اعتقاد نہیں رکھتے تھے کہ خلق ورزق اور تدبیر کائنات میں کوئی بندہ بھی اللہ کا شریک ہے، وہ توحید ربوبیت پر ایمان رکھتے تھے، اور ساتھ میں معبود بنا رکھے تھے جنکی وہ اللہ کے ساتھ پرستش کرتے تھے البتہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ خلق ورزق اور تدبیر کائنات میں بھی وہ شریک ہیں، بلکہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے وہ انکی

پرستش کرتے تھے،گویا انہوں نے واسطہ بنا رکھا تھا،اور پہلوں کے مشرکین کا یہی شرک تھا۔

لیکن بعد میں شیطان نے صوفیوں کو دونوں شرک میں مبتلا کر دیا،سو یہ توحید الوہیت کے ساتھ توحید ربوبیت میں بھی شرک کرنے لگے۔

اسی لئے شیخ محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ نے صرف توحید عبادت ہی کی طرف دعوت نہیں دی تھی جیسا کہ بعض لوگ جو شیخ کی زندگی کے بارے میں ٹھیک سے نہیں جانتے ہیں وہ اس طرح کا دعوی کرتے ہیں کہ شیخ نے صرف توحید عبادت کی طرف دعوت دی ہے،یہ غلط ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مدینہ کے اندر مسجد نبوی میں جب درس نظامی کو پورا کیا تو اسکے بعد عراق چلے گئے اور وہاں شیخ عجلونی کے پاس پڑھائی کی، پھر اسکے بعد نجد واپس آ گئے اور حریملاء میں اپنی دعوت کا آغاز کر دیا، پھر عیینہ چلے گئے،جہاں پر ایک عورت کو زنا کی وجہ سے رجم کیا، جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اپنی دعوت کو توحید سے آغاز کیا تھا،لیکن ساتھ میں اصلاح معاشرہ کا بھی کام کرتے تھے اور حدود بھی نافذ کرتے تھے۔

اور جس وقت آپ نے امراء وقت سے تعاون کا مطالبہ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کر دیتے تھے کہ یہ دعوت عام ہے،حکومت شریعت کے اعتبار ہوگی، اصلاح معاشرہ کا بھی کام ہوگا، اصلاح عقیدہ اور اصلاح عبادت جس میں شامل ہوگا،لیکن چونکہ اس وقت نجد کے اندر توحید عبادت ہم میں عمومی طور پر شرک پایا جاتا تھا،لوگ درختوں اور جنوں کی پرستش کرتے تھے، قبر پرستی عام تھی، اسی لئے آپ نے اپنی دعوت کو توحید عبادت ہی پر ترکیز کیا، یہاں تک کہ جب آپ درعیہ میں مستقل طور پر ٹھہر گئے تو پھر وہاں سے امراء اور حکام کے پاس چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ کر بھیجتے

تھے جن میں آپ ائمہ اربعہ اور صحابہ سے متعلق اپنے موقف کو واضح کرتے ،اور عقیدہ اور سنت سے متعلق بھی اپنا موقف واضح کرتے ،اور یہ خلاصہ کرتے کہ ہمارا کام صرف یہ نہیں ہیکہ اسے شرک کہوں اور اسے توحید،- جیسا کہ آپ کے مخالفین نے پھیلا رکھا تھا- بلکہ یہ ایک عام دعوت ہے اور مکمل طور پر اسی دین کی تجدید واصلاح مقصود ہے جسکی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے، اور اسے جاہلیت کی تمام آلائشوں سے پاک کرنا ہے۔

اسی لئے طلبی پر ضروری ہیکہ وہ شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ کے بارے میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے جوسوانح حیات لکھی ہے اس کا مطالعہ کریں بالخصوص کچھ معاصر علماء کے ہاتھ لکھی ہوئی سوانح کا مطالعہ کریں تا کہ تجدید واصلاح کی حقیقت سے آشنا ہو جائیں۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ - قُمْ فَأَنْذِرْ - وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ - وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ - وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ - وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ - وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ} [المدثر: ١-٧] المدثر آية ١-٧، وَمَعْنَى قُمْ فَأَنْذِرْ: يُنْذِرُ عَنِ الشِّرْكِ وَيَدْعُو إلى التوحيد، وربك فكبر عَظِّمْهُ بِالتَّوْحِيدِ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ: أَيْ طَهِّرْ أَعْمَالَكَ من الشِّرْكِ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، الرُّجْزَ: الأَصْنَامُ، وَهَجْرُهَا: تَرْكُهَا وأهلها وَالْبَرَاءَةُ مِنْهَا وَأَهْلُهَا.

ترجمہ: دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: اے کپڑا اوڑھنے والے! کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے۔ اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر۔ اپنے اعمال کو شرک سے پاک رکھ۔ ناپاکی کو چھوڑ دے۔ اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔ اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر۔ سورہ المدثر آیت: ۱-۷۔

"قُم وأَنذِرْ" کا معنی ہے: آپ ﷺ لوگوں کو شرک سے ڈرائیں اور توحید کی طرف بلائیں۔

"ربك فكبر" کا معنی ہے: آپ توحید کے ذریعے اللہ کی عظمت بیان کریں۔ "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" کا مفہوم ہے: آپ اپنے اعمال کو شرک سے پاک رکھیں۔ "وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ": الرجز کا معنی اصنام (بت) اور "فَاهْجُرْ" (ان کو چھوڑ دے) کا مطلب ہے: آپ بتوں سے اور ان کے بنانے اور پوجنے والوں سے دور رہیں نیز ان اصنام اور ان کے پرستار مشرکوں سے بیزاری و براءت کا اظہار کریں۔

الشرح:

شیخ نے خود ہی مذکورہ آیات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ("قُم وأَنذِرْ" کا معنی ہے: آپ ﷺ لوگوں کو شرک سے ڈرائیں اور توحید کی طرف بلائیں)۔

یعنی شرک کی دونوں قسموں: شرک اکبر اور شرک اصغر سے لوگوں کو ڈرائیں، اس کا مفہوم یہ بھی ہیکہ آپ توحید کی دعوت دیں، کیونکہ یہ دعوت توحید اور کفر دونوں پر مشتمل ہے، بایں طور کہ اس بات پر ایمان لانا کہ رب کہ حیثیت سے اللہ ہمارا معبود ہے اور اسکے سوا تمام معبودان باطلہ کا کفر اور انکار کرنا ہے، یہی دعوت توحید کا مطلب ہے۔ یعنی یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: "وربك فكبر" کا معنی ہے: آپ توحید کے ذریعے اللہ کی عظمت بیان کریں)۔

چنانچہ اگر کسی نے اللہ کو ایک جانا تو گویا اس نے اللہ کی تعظیم کی، اور اگر کسی نے عبادت کی قسموں میں سے کسی کو غیر اللہ کی طرف پھیر دیا تو گویا اس نے اسے اللہ کے مشابہ کر دیا، اور اس میں اللہ کی کوئی تعظیم نہیں رہ گئی، چنانچہ جس نے غیر اللہ کو پکارا یا غیر اللہ سے استغاثہ کیا، غیر اللہ کی خاطر ذبیحہ کیا اس طرح اس نے اسے اللہ کے مشابہ کر دیا بایں طور کہ اسکے اندر بھی اللہ کی سی قدرت اور سمع وبصر کی قوت کا اقرار کرنے لگا، اور یہ تشبیہ کی درج ذیل دونوں قسموں میں سب سے گھٹیا قسم ہے:

پہلی قسم: مخلوق کو خالق تشبیہ دینا، یہ تشبیہ مذموم ہے جسکی مذمت قرآن کی آئی ہے۔

دوسری قسم: خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا، علمائے کلام اسی کا شکار ہیں، جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ علم کلام کی نشو ونما سے قبل یہ بالکل معروف نہیں تھا۔(اغاثۃ اللھفان: ۲/ ۲۲۸)۔

آگے شیخ نے کہا: "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" کا مفہوم ہے: آپ اپنے اعمال کو شرک سے پاک رکھیں)۔

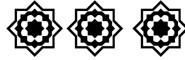
کپڑے کی تفسیر اعمال سے کرنا یہ تاویل نہیں ہے، بلکہ لغوی تفسیر ہے، چنانچہ جب کسی کی پاکی اور ستھرائی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے: فلاں کالباس یا دامن بے داغ ہے، اور جب کسی کے اخلاق و کردار میں کمی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں کا دامن داغدار ہے اس کالباس ستھرا نہیں ہے۔اس طرح شیخ نے کپڑے کی تفسیر اعمال سے اسی بنیاد پر کی ہے یہ تاویل نہیں ہے۔(تفسیر طبری:۲۹/ ۱۴۴)۔

یہ تنبیہ میں نے اسلئے کی ہے کیونکہ بہت سے لوگ تفسیر اور تاویل میں کوئی فرق نہیں کرتے ہیں، جیسے ہی اس طرح کی تفسیر دیکھتے ہیں تو فورا کہنے لگتے ہیں کہ تم لوگ ایک طرف کہتے ہو کہ ہم تاویل نہیں کرتے ہیں لیکن دوسری طرف تاویل بھی کرتے ہو۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو تاویل مذموم ہے وہ تحریف ہے، بایں طور کہ کلمے سے ایسا معنی مراد لیا جائے جسکا وہ متحمل نہ ہو نہ ہی لغوی طور پر اور نہ ہی شرعی طور پر، چنانچہ لغوی تفسیر کرنا تاویل نہیں ہے، اسے تفسیر اور وضاحت کہتے ہیں، متقدمین مفسرین کے نزدیک تاویل تفسیر کے معنی میں ہے جب کہ متاخرین کے نزدیک تحریف کے معنی میں ہے۔

آگے شیخ نے کہا: ”وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ“: الرجز کا معنی اصنام (بت) اور "فَاهْجُرْ" (ان کو چھوڑ دے) کا مطلب ہے: آپ بتوں سے اور ان کے بنانے اور پوجنے والوں سے دور رہیں نیز ان اصنام اور ان کے پرستار مشرکوں سے بیزاری و براءت کا اظہار کریں)۔

یعنی ان تمام مشرکین اور شرک کا انکار اور ان سے براءت کا اظہار کیا جائے اور دوسری طرف اللہ کی وحدانیت پر ایمان لایا جائے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

أَخَذَ عَلَى هَذَا عَشْرَ سِنِينَ يَدْعُو إِلَى التَّوْحِيدِ، وَبَعْدَ الْعَشْرِ عُرِجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ وَفُرِضَتْ عَلَيْهِ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَصَلَّى فِي مَكَّةَ ثلاث سنين وبعدها أمر بالهجرة فى الْمَدِينَةِ.

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کے مطابق دس سالوں تک لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے۔ دس سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانوں کی سیر (معراج) کرائی گئی اور پانچ وقتوں کی نماز فرض کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال تک مکہ مکرمہ میں نماز ادا کرتے رہے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کے مطابق دس سالوں تک لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے)۔

کیونکہ لوگوں کے رگ و ریشے میں بت پرستی اور شرک پیوست ہو چکے تھے۔

آگے شیخ نے کہا: (دس سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانوں کی سیر (معراج) کرائی گئی)۔

مدینہ ہجرت کرنے سے قبل معراج کرانے میں اللہ کی خاص حکمت مضمر ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اور پانچ وقتوں کی نماز فرض کی گئی)۔

امت محمدیہ پر پانچوں وقت کی نماز ساتوں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہی کے پاس فرض کی گئی، بلکہ آپ اس جگہ تک پہونچ گئے تھے جہاں بیٹھ کر فرشتے تقدیر لکھتے ہیں جہاں سے قلم کی آواز سنائی دے رہی تھی، اس طرح جبریل سدرۃ المنتہی کے پاس چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تنہا گئے، اور بلا واسطہ اپنے رب سے کلام کیا اور اس کلام کو سنا بھی۔

یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالی ایسا کلام کرتا ہے جس کی آواز ہے جو سنائی دی جاتی ہے، چنانچہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کی رات کلام کیا ایسی آواز میں جو سنائی دی گئی، بغیر کسی واسطے کے، اور اللہ نے جتنے بھی نبی سے کلام کیا ہے سب نے کلام باری کو اللہ ہی کی آواز میں سنا ہے، اس بات کو میں بار بار بیان کرتا ھوں تا کہ ان اشاعرہ پر رد کروں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ کا حقیقی کلام حروف اور اصوات کے ساتھ نہیں ہے، وہ صرف ایک معنی ہے جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے، اسی کی عربی میں ترجمانی کر دی گئی تو اسے قرآن کہا گیا، سریانی اور عبرانی میں منتقل کر دیا گیا تو اسے تورات اور انجیل کہا گیا!!

سوال پیدا ہوتا ہیکہ آخر اللہ کے اس کلام کو کس نے سنا جو اللہ کے دل میں تھا اور پھر اس نے مذکورہ زبانوں میں اسے منتقل کر دیا؟ کیا کوئی ہے جو بغیر کہئے اللہ کے دل کی بات سمجھ لے اور ترجمہ کر دے؟

اس طرح کی بات کرتے ہوئے یہ ذرا بھی غور وفکر سے کام نہیں لیتے ہیں، کیونکہ انکے یہاں تقلیدی عقیدہ پایا جاتا ہے، مرید اپنے شیخ کی تقلید کرتا ہے اور شیخ اپنے شیخ کی تقلید کرتا ہے، اس طرح انکے یہاں تقلید مسلسل ہوتا ہے، انکے پاس ایسی کوئی مستند دلیل نہیں ہے جس سے پتہ چلے

کہ اللہ کا کلام حرف اور صوت کے مجموعہ کا نام نہیں ہے، بلکہ قرآن میں یہ صراحت موجود ہیکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اسکے اپنے حروف کے ساتھ، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ) ترجمہ: اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچادو۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔(التوبہ:٦)۔

چنانچہ جس قرآن کی تلاوت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین پر کی تھی اور انہوں نے جسے سنا تھا وہی اللہ کا کلام ہے اسی کے الفاظ میں جبکہ آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

اسی طرح ہم بھی قارئین کی آواز میں اللہ کا کلام سنتے ہیں، چنانچہ آواز گرچہ قاری کی ہوتی ہے مگر سنا گیا کلام اللہ کا ہوتا ہے اسی لئے سلف نے اس کیلئے یہی اصول بنا دیا ہے تا کہ طلبہ اسے یاد رکھیں۔

اور معراج کی رات نمازوں کی فرضیت سے نماز کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ اسلام کے تمام فرائض واحکام کو اللہ اور اسکے رسول نے صحابہ کے درمیان زمین پر مشروع کیا ہے یا تو مکہ یا مدینہ کے اندر، لیکن جب نمازوں کی فرضیت کا وقت آیا تو اسکے لئے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور بلا واسطہ گفتگو کر کے پچاس وقت کی نماز فرض کی، لیکن موسی علیہ السلام کی شفاعت پر اور رب سے مراجعت پر پانچ وقت کر دی گئی مگر ثواب وہی بچاس کا رہا، نماز فرض ہونے کے بعد بھی مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین سال رہے، اسکے بعد مدینہ ہجرت کی، جب کہ

اس سے قبل آپ نے صحابہ کو حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دی تھی۔ جیسا کہ اسکے تفصیل آرہی ہے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَالْهِجْرَةُ الانْتِقَالُ مِنْ بَلَدِ الشِّرْكِ إِلَى بَلَدِ الإِسْلامِ۔

ترجمہ: ہجرت شرک کے علاقے کو چھوڑ کر توحید کے علاقے میں چلے جانے کا نام ہے۔

الشرح:

ہجرت اصطلاح میں کہتے ہیں شرک کے علاقے کو چھوڑ کر توحید کے علاقے میں چلے جانے کو۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ آخر صحابہ کا مکہ سے حبشہ کی طرف جانے کو ہجرت کیسے کہیں گے جب کہ حبشہ تو اس وقت دارالاسلام نہیں تھا، بلکہ وہ دارکفر تھا، گرچہ وہ نصاری تھے؟

جواب: مشرکین مکہ کی طرف سے تکلیف جب بڑھ گئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، اس وقت حبشہ گرچہ دار اسلام نہیں تھا مگر اسے ہجرت کا نام دیا گیا لغوی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے کیونکہ ہجرت لغت میں کہتے ہیں ایک جگہ کو ترک کر کے دوسری جگہ منتقل ہو جانے کو، اور یہ معروف ہیکہ شرعی معنی کے مقابلے لغوی معنی زیادہ وسیع ہے، چنانچہ مجرد انتقال مکان کو لغت خ ین ہجرت کہیں گے لیکن شریعت خ ین ہجرت اسی وقت کہیں گے جب یہ انتقال دارکفر سے دار اسلام کی طرف ہوا ہو۔

پھر تحقیق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کی یہ ہجرت افریقہ کی طرف دعوت وتبلیغ کے مقصد سے بھی تھی جیسا کہ ہجرت حبشہ کا ذکر مسند احمد کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ابْنَةِ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلْنَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ جَاوَرْنَا بِهَا خَيْرَ جَارٍ النَّجَاشِيَّ أَمِنَّا عَلَى دِينِنَا وَعَبَدْنَا اللَّهَ لَا نُؤْذَى وَلَا نَسْمَعُ شَيْئًا نَكْرَهُهُ فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ قُرَيْشًا ائْتَمَرُوا أَنْ يَبْعَثُوا إِلَى النَّجَاشِيِّ فِينَا رَجُلَيْنِ جَلْدَيْنِ وَأَنْ يُهْدُوا لِلنَّجَاشِيِّ هَدَايَا مِمَّا يُسْتَطْرَفُ مِنْ مَتَاعِ مَكَّةَ وَكَانَ مِنْ أَعْجَبِ مَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَيْهِ الْأَدَمُ فَجَمَعُوا لَهُ أَدَمًا كَثِيرًا وَلَمْ يَتْرُكُوا مِنْ بَطَارِقَتِهِ بِطْرِيقًا إِلَّا أَهْدَوْا لَهُ هَدِيَّةً ثُمَّ بَعَثُوا بِذَلِكَ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ الْمَخْزُومِيِّ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ السَّهْمِيِّ وَأَمَرُوهُمَا أَمْرَهُمْ وَقَالُوا لَهُمَا ادْفَعُوا إِلَى كُلِّ بِطْرِيقٍ هَدِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ تُكَلِّمُوا النَّجَاشِيَّ فِيهِمْ ثُمَّ قَدِّمُوا لِلنَّجَاشِيِّ هَدَايَاهُ ثُمَّ سَلُوهُ أَنْ يُسْلِمَهُمْ إِلَيْكُمْ قَبْلَ أَنْ يُكَلِّمَهُمْ قَالَتْ فَخَرَجَا فَقَدِمَا عَلَى النَّجَاشِيِّ وَنَحْنُ عِنْدَهُ بِخَيْرِ دَارٍ وَعِنْدَ خَيْرِ جَارٍ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ بَطَارِقَتِهِ بِطْرِيقٌ إِلَّا دَفَعَا إِلَيْهِ هَدِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ يُكَلِّمَا النَّجَاشِيَّ ثُمَّ قَالَا لِكُلِّ بِطْرِيقٍ مِنْهُمْ إِنَّهُ قَدْ صَبَا إِلَى بَلَدِ الْمَلِكِ مِنَّا غِلْمَانٌ سُفَهَاءُ فَارَقُوا دِينَ قَوْمِهِمْ وَلَمْ يَدْخُلُوا فِي دِينِكُمْ وَجَاءُوا بِدِينٍ مُبْتَدَعٍ لَا نَعْرِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتُمْ وَقَدْ بَعَثَنَا إِلَى الْمَلِكِ فِيهِمْ أَشْرَافُ قَوْمِهِمْ لِيَرُدَّهُمْ إِلَيْهِمْ فَإِذَا كَلَّمْنَا الْمَلِكَ فِيهِمْ فَتُشِيرُوا عَلَيْهِ بِأَنْ يُسْلِمَهُمْ إِلَيْنَا وَلَا يُكَلِّمَهُمْ فَإِنَّ قَوْمَهُمْ أَعْلَى بِهِمْ عَيْنًا وَأَعْلَمُ بِمَا عَابُوا عَلَيْهِمْ فَقَالُوا لَهُمَا نَعَمْ ثُمَّ إِنَّهُمَا قَرَّبَا

هَدَايَاهُمْ إِلَى النَّجَاشِيِّ فَقَبِلَهَا مِنْهُمَا ثُمَّ كَلَّمَاهُ فَقَالَا لَهُ أَيُّهَا الْمَلِكُ إِنَّهُ قَدْ صَبَا إِلَى بَلَدِكَ مِنَّا غِلْمَانٌ سُفَهَاءُ فَارَقُوا دِينَ قَوْمِهِمْ وَلَمْ يَدْخُلُوا فِي دِينِكَ وَجَاءُوا بِدِينٍ مُبْتَدَعٍ لَا نَعْرِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ وَقَدْ بَعَثَنَا إِلَيْكَ فِيهِمْ أَشْرَافُ قَوْمِهِمْ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَعْمَامِهِمْ وَعَشَائِرِهِمْ لِتَرُدَّهُمْ إِلَيْهِمْ فَهُمْ أَعْلَى بِهِمْ عَيْنًا وَأَعْلَمُ بِمَا عَابُوا عَلَيْهِمْ وَعَاتَبُوهُمْ فِيهِ۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب ہم سرزمین حبش میں اترے تو ہمیں نجاشی کی صورت میں بہترین پڑوسی ملا، ہمیں دین کے حوالے اطمینان نصیب ہوا، ہم نے اللہ کی عبادت اس طرح کی کہ ہمیں کوئی نہ ستاتا تھا اور ہم کوئی ناپسندیدہ بات نہ سنتے تھے، قریش کو جب اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے مشورہ کیا کہ قریش کے دو مضبوط آدمیوں کو نادرونایاب تحائف کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا جائے، ان لوگوں کی نگاہوں میں سب سے زیادہ عمدہ اور قیمتی چیز" چمڑا" شمار ہوتی تھی، چنانچہ انہوں نے بہت سا چمڑا اکٹھا کیا اور نجاشی کے ہر سردار کے لئے بھی ہدیہ اکٹھا کیا اور یہ سب چیزیں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کے حوالے کر کے انہیں ساری بات سمجھائی اور کہا کہ نجاشی سے ان لوگوں کے حوالے سے کوئی بات کرنے سے قبل ہر سردار کو اس کا ہدیہ پہنچا دینا، پھر نجاشی کی خدمت میں ہدایا و تحائف پیش کرنا اور قبل اس کے وہ ان لوگوں سے کوئی بات کرے، تم اس سے یہ درخواست کرنا کہ انہیں تمہارے حوالہ کر دے۔

یہ دونوں مکہ مکرمہ سے نکل کر نجاشی کے پاس پہنچے، اس وقت تک ہم بڑی بہترین رہائش اور بہترین پڑوسیوں کے درمیان رہ رہے تھے، ان دونوں نے نجاشی سے کوئی بات کرنے سے

پہلے اس کے ہر سردار کو تحائف دیئے اور ہر ایک سے یہی کہا کہ شاہ حبشہ کے اس ملک میں ہمارے کچھ بیوقوف لڑکے آگئے ہیں، جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیتے ہیں اور تمہارے دین میں داخل نہیں ہوتے، بلکہ انہوں نے ایک نیا دین خود ہی ایجاد کرلیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ لوگ، اب ہمیں اپنی قوم کے کچھ معزز لوگوں نے بھیجا ہے تاکہ ہم انہیں یہاں سے واپس لے جائیں، جب ہم بادشاہ سلامت سے ان کے متعلق گفتگو کریں تو آپ بھی انہیں یہی مشورہ دیں کہ بادشاہ سلامت ان سے کوئی بات چیت کیئے بغیر ہی انہیں ہمارے حوالے کردیں، کیونکہ ان کی قوم کی نگاہیں ان سے زیادہ گہری ہیں اور وہ اس چیز سے بھی زیادہ واقف ہیں جو انہوں نے ان پر عیب لگائے ہیں، اس پر سارے سرداروں نے انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اس کے بعد ان دونوں نے نجاشی کی خدمت میں اپنی طرف سے تحائف پیش کیئے جنہیں اس نے قبول کرلیا، پھر ان دونوں نے اس سے کہا بادشاہ سلامت! آپ کے شہر میں ہمارے ملک کے کچھ بیوقوف لڑکے آگئے ہیں، جو اپنی قوم کا دین چھوڑ آئے ہیں اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے ایک نیا دین خود ہی ایجاد کرلیا ہے جسے نہ آپ جانتے ہیں اور نہ ہم جانتے ہیں، اب ان کے سلسلے میں ان کی قوم کے کچھ معززین نے جن میں ان کے باپ چچا اور خاندان والے شامل ہیں ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں ہمارے حوالہ کردیں کیونکہ ان کی نگاہیں زیادہ گہری ہیں اور وہ اس چیز سے بھی باخبر ہیں جو انہوں نے ان پر عیب لگائے ہیں۔

اہل باطل ہمیشہ اہل حق کو اسی طرح بیوقوف، پاگل اور کم فہم جیسے اوصاف سے متہم کرتے رہے

ہیں، انہیں بیوقوف کہا کہ یہ لوگ اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے، اور نجاشی کے دین کو بھی قبول نہیں کیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ قریش کے دین اور نجاشی کے دین کے سوا کوئی دین تھا ہی نہیں!!

آگے کہتی ہیں:

قَالَتْ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ مِنْ أَنْ يَسْمَعَ النَّجَاشِيُّ كَلَامَهُمْ فَقَالَتْ بَطَارِقَتُهُ حَوْلَهُ صَدَقُوا أَيُّهَا الْمَلِكُ قَوْمُهُمْ أَعْلَى بِهِمْ عَيْنًا وَأَعْلَمُ بِمَا عَابُوا عَلَيْهِمْ فَأَسْلِمْهُمْ إِلَيْهِمَا فَلْيَرُدَّاهُمْ إِلَى بِلَادِهِمْ وَقَوْمِهِمْ قَالَ فَغَضِبَ النَّجَاشِيُّ ثُمَّ قَالَ لَا هَا اللَّهِ ايْمُ اللَّهِ إِذَنْ لَا أُسْلِمُهُمْ إِلَيْهِمَا وَلَا أُكَادُ قَوْمًا جَاوَرُونِي وَنَزَلُوا بِلَادِي وَاخْتَارُونِي عَلَى مَنْ سِوَايَ حَتَّى أَدْعُوَهُمْ فَأَسْأَلَهُمْ مَاذَا يَقُولُ هَذَانِ فِي أَمْرِهِمْ فَإِنْ كَانُوا كَمَا يَقُولَانِ أَسْلَمْتُهُمْ إِلَيْهِمَا وَرَدَدْتُهُمْ إِلَى قَوْمِهِمْ وَإِنْ كَانُوا عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ مَنَعْتُهُمْ مِنْهُمَا وَأَحْسَنْتُ جِوَارَهُمْ مَا جَاوَرُونِي قَالَتْ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَاهُمْ فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُ اجْتَمَعُوا ثُمَّ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مَا تَقُولُونَ لِلرَّجُلِ إِذَا جِئْتُمُوهُ قَالُوا نَقُولُ وَاللَّهِ مَا عَلَّمَنَا وَمَا أَمَرَنَا بِهِ نَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَائِنٌ فِي ذَلِكَ مَا هُوَ كَائِنٌ فَلَمَّا جَاءُوهُ وَقَدْ دَعَا النَّجَاشِيُّ أَسَاقِفَتَهُ فَنَشَرُوا مَصَاحِفَهُمْ حَوْلَهُ سَأَلَهُمْ فَقَالَ مَا هَذَا الدِّينُ الَّذِي فَارَقْتُمْ فِيهِ

قَوْمَكُمْ وَلَمْ تَدْخُلُوا فِي دِينِي وَلَا فِي دِينِ أَحَدٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَمِ قَالَتْ فَكَانَ الَّذِي كَلَّمَهُ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ لَهُ أَيُّهَا الْمَلِكُ كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ وَنُسِيءُ الْجِوَارَ يَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ فَكُنَّا عَلَى ذَلِكَ حَتَّى بَعَثَ اللَّهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَأَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ فَدَعَانَا إِلَى اللَّهِ لِنُوَحِّدَهُ وَنَعْبُدَهُ وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّورِ وَأَكْلِ مَالَ الْيَتِيمِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَأَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ قَالَ فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ فَصَدَّقْنَاهُ وَآمَنَّا بِهِ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلَى مَا جَاءَ بِهِ فَعَبَدْنَا اللَّهَ وَحْدَهُ فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا وَحَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا وَأَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا فَعَدَا عَلَيْنَا قَوْمُنَا فَعَذَّبُونَا وَفَتَنُونَا عَنْ دِينِنَا لِيَرُدُّونَا إِلَى عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ عِبَادَةِ اللَّهِ وَأَنْ نَسْتَحِلَّ مَا كُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ فَلَمَّا قَهَرُونَا وَظَلَمُونَا وَشَقُّوا عَلَيْنَا وَحَالُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ دِينِنَا خَرَجْنَا إِلَى بَلَدِكَ وَاخْتَرْنَاكَ عَلَى مَنْ سِوَاكَ وَرَغِبْنَا فِي جِوَارِكَ وَرَجَوْنَا أَنْ لَا نُظْلَمَ عِنْدَكَ أَيُّهَا الْمَلِكُ قَالَتْ فَقَالَ لَهُ النَّجَاشِيُّ هَلْ مَعَكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ عَنِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ قَالَتْ فَقَالَ لَهُ جَعْفَرٌ نَعَمْ فَقَالَ لَهُ النَّجَاشِيُّ

فَاقْرَأْهُ عَلَيَّ فَقَرَأَ عَلَيْهِ صَدْرًا مِنْ كهيعص قَالَتْ فَبَكَى وَاللَّهِ النَّجَاشِيُّ حَتَّى أَخْضَلَ لِحْيَتَهُ وَبَكَتْ أَسَاقِفَتُهُ حَتَّى أَخْضَلُوا مَصَاحِفَهُمْ حِينَ سَمِعُوا مَا تَلَا عَلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ النَّجَاشِيُّ إِنَّ هَذَا وَاللَّهِ وَالَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى لَيَخْرُجُ مِنْ مِشْكَاةٍ وَاحِدَةٍ انْطَلِقَا فَوَاللَّهِ لَا أُسْلِمُهُمْ إِلَيْكُمْ أَبَدًا وَلَا أُكَادُ قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ فَلَمَّا خَرَجَا مِنْ عِنْدِهِ قَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ وَاللَّهِ لَأُنَبِّئَنَّهُمْ غَدًا عَيْبَهُمْ عِنْدَهُمْ ثُمَّ أَسْتَأْصِلُ بِهِ خَضْرَاءَهُمْ قَالَتْ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي رَبِيعَةَ وَكَانَ أَتْقَى الرَّجُلَيْنِ فِينَا لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ لَهُمْ أَرْحَامًا وَإِنْ كَانُوا قَدْ خَالَفُونَا قَالَ وَاللَّهِ لَأُخْبِرَنَّهُ أَنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَبْدٌ قَالَتْ ثُمَّ غَدَا عَلَيْهِ الْغَدَ فَقَالَ لَهُ أَيُّهَا الْمَلِكُ إِنَّهُمْ يَقُولُونَ فِي عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قَوْلًا عَظِيمًا فَأَرْسِلْ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلْهُمْ عَمَّا يَقُولُونَ فِيهِ قَالَتْ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ يَسْأَلُهُمْ عَنْهُ قَالَتْ وَلَمْ يَنْزِلْ بِنَا مِثْلُهُ فَاجْتَمَعَ الْقَوْمُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مَاذَا تَقُولُونَ فِي عِيسَى إِذَا سَأَلَكُمْ عَنْهُ قَالُوا نَقُولُ وَاللَّهِ فِيهِ مَا قَالَ اللَّهُ وَمَا جَاءَ بِهِ نَبِيُّنَا كَائِنًا فِي ذَلِكَ مَا هُوَ كَائِنٌ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالَ لَهُمْ مَا تَقُولُونَ فِي عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فَقَالَ لَهُ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ نَقُولُ فِيهِ الَّذِي جَاءَ بِهِ نَبِيُّنَا هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَرُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُولِ قَالَتْ فَضَرَبَ النَّجَاشِيُّ يَدَهُ إِلَى الْأَرْضِ فَأَخَذَ مِنْهَا عُودًا ثُمَّ قَالَ مَا عَدَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَا قُلْتَ هَذَا الْعُودَ فَتَنَاخَرَتْ بَطَارِقَتُهُ

حَوْلَهُ حِينَ قَالَ مَا قَالَ فَقَالَ وَإِنْ نَخَرْتُمْ وَاللَّهِ اذْهَبُوا فَأَنْتُمْ سُيُومٌ بِأَرْضِي وَالسُّيُومُ الْآمِنُونَ مَنْ سَبَّكُمْ غُرِّمَ ثُمَّ مَنْ سَبَّكُمْ غُرِّمَ فَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِي دَبْرًا ذَهَبًا وَأَنِّي آذَيْتُ رَجُلًا مِنْكُمْ وَالدَّبْرُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ الْجَبَلُ رُدُّوا عَلَيْهِمَا هَدَايَاهُمَا فَلَا حَاجَةَ لَنَا بِهَا فَوَاللَّهِ مَا أَخَذَ اللَّهُ مِنِّي الرِّشْوَةَ حِينَ رَدَّ عَلَيَّ مُلْكِي فَآخُذَ الرِّشْوَةَ فِيهِ وَمَا أَطَاعَ النَّاسَ فِيَّ فَأُطِيعَهُمْ فِيهِ قَالَتْ فَخَرَجَا مِنْ عِنْدِهِ مَقْبُوحَيْنِ مَرْدُودًا عَلَيْهِمَا مَا جَاءَا بِهِ وَأَقَمْنَا عِنْدَهُ بِخَيْرِ دَارٍ مَعَ خَيْرِ جَارٍ قَالَتْ فَوَاللَّهِ إِنَّا عَلَى ذَلِكَ إِذْ نَزَلَ بِهِ يَعْنِي مَنْ يُنَازِعُهُ فِي مُلْكِهِ قَالَ فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْنَا حُزْنًا قَطُّ كَانَ أَشَدَّ مِنْ حُزْنٍ حَزِنَّاهُ عِنْدَ ذَلِكَ تَخَوُّفًا أَنْ يَظْهَرَ ذَلِكَ عَلَى النَّجَاشِيِّ فَيَأْتِيَ رَجُلٌ لَا يَعْرِفُ مِنْ حَقِّنَا مَا كَانَ النَّجَاشِيُّ يَعْرِفُ مِنْهُ قَالَتْ وَسَارَ النَّجَاشِيُّ وَبَيْنَهُمَا عُرْضُ النِّيلِ قَالَتْ فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَجُلٌ يَخْرُجُ حَتَّى يَحْضُرَ وَقْعَةَ الْقَوْمِ ثُمَّ يَأْتِيَنَا بِالْخَبَرِ قَالَتْ فَقَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ أَنَا قَالَتْ وَكَانَ مِنْ أَحْدَثِ الْقَوْمِ سِنًّا قَالَتْ فَنَفَخُوا لَهُ قِرْبَةً فَجَعَلَهَا فِي صَدْرِهِ ثُمَّ سَبَحَ عَلَيْهَا حَتَّى خَرَجَ إِلَى نَاحِيَةِ النِّيلِ الَّتِي بِهَا مُلْتَقَى الْقَوْمِ ثُمَّ انْطَلَقَ حَتَّى حَضَرَهُمْ قَالَتْ وَدَعَوْنَا اللَّهَ لِلنَّجَاشِيِّ بِالظُّهُورِ عَلَى عَدُوِّهِ وَالتَّمْكِينِ لَهُ فِي بِلَادِهِ وَاسْتَوْسَقَ عَلَيْهِ أَمْرُ الْحَبَشَةِ فَكُنَّا عِنْدَهُ فِي خَيْرِ مَنْزِلٍ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِمَكَّةَ.

ترجمہ: اس وقت ان دونوں کی نگاہوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز یہ تھی کہ کہیں نجاشی ہماری بات سننے کے لئے تیار نہ ہو جائے، ادھر اس کے پاس موجود اس کے سرداروں نے بھی کہا بادشاہ سلامت! یہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں، ان کی قوم کی نگاہیں زیادہ گہری ہیں اور وہ اس چیز سے بھی باخبر ہیں جو انہوں نے ان پر عیب لگائے ہیں، اس لئے آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیجئے تاکہ یہ انہیں واپس ان کے شہر اور قوم میں لے جائیں۔

اس پر نجاشی کو غصہ آگیا اور وہ کہنے لگا نہیں، بخدا! میں ایک ایسی قوم کو ان لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتا جنہوں نے میرا پڑوسی بننا قبول کیا، میرے ملک میں آئے اور دوسروں پر مجھے ترجیح دی، میں پہلے انہیں بلاؤں گا اور ان سے اس چیز کے متعلق پوچھوں گا جو یہ دونوں ان کے حوالے سے کہہ رہے ہیں، اگر وہ لوگ ویسے ہی ہوئے جیسے یہ کہہ رہے ہیں تو میں انہیں ان کے حوالے کر دوں گا اور انہیں ان کے شہر اور قوم میں واپس بھیج دوں گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر میں انہیں ان کے حوالے نہیں کرونگا بلکہ اچھا پڑوسی ہونے کا ثبوت پیش کروں گا۔ اس کے بعد نجاشی نے پیغام بھیج کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بلایا، جب قاصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آیا تو انہوں نے اکٹھے ہو کر مشورہ کیا کہ بادشاہ کے پاس پہنچ کر کیا کہا جائے؟ پھر انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ ہم وہی کہیں گے جو ہم جانتے ہیں یا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے، جو ہو گا سو دیکھا جائے گا، چنانچہ یہ حضرات نجاشی کے پاس چلے گئے، نجاشی نے اپنے پادریوں کو بھی بلا لیا تھا اور وہ اس کے سامنے آسمانی کتابیں اور صحیفے کھول کر بیٹھے ہوئے تھے۔

نجاشی نے ان سے پوچھا کہ وہ کون سا دین ہے جس کی خاطر تم نے اپنی قوم کے دین کو

چھوڑا، نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ اقوام عالم میں سے کسی کا دین اختیار کیا؟ اس موقع پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کلام کیا اور فرمایا بادشاہ سلامت! ہم جاہل لوگ تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتہ داریاں توڑ دیا کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے اور ہمارا طاقتور ہمارے کمزور کو کھا جاتا تھا، ہم اسی طرز زندگی پر چلتے رہے، حتی کہ اللہ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا جس کے حسب نسب، صدق و امانت اور عفت و عصمت کو ہم جانتے ہیں، انہوں نے ہمیں اللہ کو ایک ماننے، اس کی عبادت کرنے، اور اس کے علاوہ پتھروں اور بتوں کو جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجا کرتے تھے کی عبادت چھوڑ دینے کی دعوت پیش کی، انہوں نے ہمیں بات میں سچائی، امانت کی ادائیگی، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، حرام کاموں اور قتل و غارت گری سے بچنے کا حکم دیا، انہوں نے ہمیں بے حیائی کے کاموں سے بچنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال ناحق کھانے اور پاکدامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگانے سے روکا، انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور انہوں نے ہمیں نماز، زکوۃ اور روزے کا حکم دیا، ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے، ان کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیمات کی پیروی کی، ہم نے ایک اللہ کی عبادت شروع کر دی، ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے تھے، ہم نے ان کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال قرار دی ہوئی اشیاء کو حلال سمجھنا شروع کر دیا، جس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم وستم شروع کر دیا، ہمیں طرح طرح کی سزائیں دینے لگے، ہمیں ہمارے دین سے برگشتہ کرنے لگے تاکہ ہم دوبارہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی پوجا شروع

کر دیں، اور پہلے جن گندی چیزوں کو زمانہ جاہلیت میں حلال سمجھتے تھے، انہیں دوبارہ حلال سمجھنا شروع کر دیں۔

جب انہوں نے ہم پر حد سے زیادہ ظلم شروع کر دیا اور ہمارے لئے مشکلات کھڑی کرنا شروع کر دیں اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر حائل ہونے لگے تو ہم وہاں سے نکل کر آپ کے ملک میں آگئے، ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی، ہم نے آپ کے پڑوس میں اپنے لئے رغبت محسوس کی اور بادشاہ سلامت! ہمیں امید ہے کہ آپ کی موجودگی میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔ نجاشی نے ان سے کہا کیا اس پیغمبر پر اللہ کی طرف سے جو وحی آتی ہے، اس کا کچھ حصہ آپ کو یاد ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جی ہاں! اس نے کہا کہ پھر مجھے وہ پڑھ کر سنائیے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے سورت مریم کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا: بخدا! اسے سن کر نجاشی اتنا رویا کہ اس کے آنسوؤں سے تر ہوگئی، اس کے پادری بھی اتنا روئے کہ ان کے سامنے رکھے ہوئے آسمانی کتابوں کے نسخے بھی ان کے آنسوؤں سے تر بتر ہوگئے، پھر نجاشی نے کہا بخدا! یہ وہی کلام ہے جو موسیٰ پر بھی نازل ہوا تھا اور ان دونوں کا منبع ایک ہی ہے، یہ کہہ کر ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ اللہ کی قسم! میں انہیں کسی صورت میں تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکلے تو عمرو بن عاص نے کہا بخدا! کل میں نجاشی کے سامنے ان کا عیب بیان کر کے رہوں گا اور اس کے ذریعے ان کی جڑ کاٹ کر پھینک دوں گا، عبداللہ بن ابی ربیعہ جو ہمارے معاملے میں کچھ نرم تھا

کہنے لگا کہ ایسا نہ کرنا، کیونکہ اگر چہ یہ ہماری مخالفت کر رہے ہیں لیکن ہیں تو ہمارے ہی رشتہ دار، عمرو بن عاص نے کہا کہ نہیں، میں نجاشی کو یہ بتا کر رہوں گا کہ یہ لوگ حضرت عیسی علیہ السلام کو بھی اللہ کا بندہ کہتے ہیں ۔ چنانچہ اگلے دن آ کر عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا بادشاہ سلامت! یہ لوگ حضرت عیسی علیہ السلام کو بھی اللہ کا بندہ کہتے ہیں ۔ چنانچہ اگلے دن آ کر عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا بادشاہ سلامت! یہ لوگ حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے بڑی سخت بات کہتے ہیں، اس لئے انہیں بلا کر حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے ان کا عقیدہ دریافت کیجئے، بادشاہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے بلا بھیجا، اس وقت ہمارے اوپر اس جیسی کوئی چیز نازل نہ ہوئی تھی ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باہم مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ جب بادشاہ تم سے حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق پوچھے گا تو تم کیا کہو گے؟ پھر انہوں نے یہ طے کر کے وہ نجاشی کے پاس پہنچ گئے، نجاشی نے ان سے پوچھا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ہم وہی کچھ کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے پیغمبر، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا جو کہ کنواری اور اپنی شرم وحیاء کی حفاظت کرنے والی تھیں، اس پر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین کی طرف بڑھا کر ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے، حضرت عیسی علیہ السلام اس سے اس تنکے کی نسبت بھی زیادہ نہیں ہیں ۔ جب نجاشی نے یہ بات کہی تو یہ اس کے ارگرد بیٹھے ہوئے سرداروں کو بہت بری لگی اور غصہ سے ان کے نرخروں سے آواز نکلنے لگی، نجاشی نے کہا تمہیں جتنا مرضی برا لگے، بات صحیح ہے،

تم لوگ جاؤ آج سے تم اس ملک میں امت کے ساتھ رہو گے اور تین مرتبہ کہا کہ جو شخص تمہیں برا بھلا کہے گا اسے اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا، مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم میں سے کسی کو تکلیف پہنچاؤں اگرچہ اس کے عوض مجھے ایک پہاڑ کے برابر بھی سونا مل جائے اور ان دونوں کو ان کے تحائف اور ہدایا واپس کردو، بخدا! اللہ نے جب مجھے میری حکومت واپس لوٹائی تھی تو اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی تھی کہ میں بھی اس کے معاملے میں رشوت لیتا پھروں اور اس نے لوگوں کو میرا مطیع نہیں بنایا کہ اس کے معاملے میں میں لوگوں کی اطاعت کرتا پھروں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ان دونوں کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیا گیا اور وہ جو بھی ہدایا لے کر آئے تھے، وہ سب انہیں واپس لوٹا دیئے گئے اور ہم نجاشی کے ملک میں بہترین گھر اور بہترین پڑوس کے ساتھ زندگی گذارتے رہے، اس دوران کسی نے نجاشی کے ملک پر حملہ کر دیا، اس وقت ہمیں انتہائی غم وافسوس ہوا اور ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ حملہ آور نجاشی پر غالب ہی نہ آجائے اور نجاشی کی جگہ ایک ایسا آدمی برسر اقتدار آجائے جو ہمارے حقوق کا اس طرح خیال نہ رکھے جیسے نجاشی رکھتا تھا۔ بہرحال! نجاشی جنگ کے لئے روانہ ہوا، دونوں لشکروں کے درمیان دریائے نیل کی چوڑائی حائل تھی، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے سے کہا کہ ان لوگوں کی جنگ میں حاضر ہو کر ان کی خبر ہمارے پاس کون لائے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو اس وقت ہم میں سب سے کمسن تھے نے اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے انہیں ایک مشکیزہ پھلا کر دے دیا، وہ انہوں نے اپنے سینے پر لٹکا لیا اور اس کے اوپر تیرنے لگے، یہاں تک کہ نیل کے اس کنارے کی طرف نکل گئے جہاں دونوں لشکر صف

آراء تھے۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ کر سارے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور ہم نجاشی کے حق میں اللہ سے یہ دعاء کرتے رہے کہ اسے اس کے دشمن پر غلبہ نصیب ہو اور وہ اپنے ملک میں حکمرانی پر فائز رہے اور اہل حبشہ کا نظم ونسق اسی کے ہاتھ میں رہے، کیونکہ ہمیں اس کے پاس بہترین ٹھکانہ نصیب تھا، یہاں تک کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آگئے،اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی تھے۔

نجاشی کو حقیقت کا علم ہو گیا تو قریشی وفد کے سارے تحفے تحائف کو واپس کر دیا اور انہیں بھگا دیا، یہ خائب وخاسر واپس مکہ آگئے،اور جب اس بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی عزت وتوقیر کی بالخصوص اہل بیت کی جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیٹیاں بھی تھیں،تو اللہ نے اسے اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا،اور اس طرح وہ پہلا بادشاہ ہوا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاصر مسلم بادشاہ تھا، جو مومن تھا اور اپنے ایمان کا اظہار بھی کرتا تھا،اس طرح صحابہ کی ہجرت حبشہ کی طرف معہود ہجرت نہیں تھی بلکہ دعوت دین کی خاطر تھی تاکہ وہاں پر بھی دین اسلام کی تشریح اور توضیح کی جائے اور دعوت دین جزیرہ عرب سے باہر پھیل جائے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَالْهِجْرَةُ فَرِيضَةٌ عَلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ بَلَدِ الشِّرْكِ إِلَى بلد الإِسْلامِ، وَهِيَ بَاقِيَةٌ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ.

ترجمہ: شرک کے علاقے سے اسلام کے علاقے کی جانب ہجرت کرنا اس امت پر فرض ہے اور یہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی۔

الشرح:

اس وقت کئی قسم کی ہجرت پائی جاتی ہے:

پہلی قسم: بعض مسلمان اسلئے ہجرت کرتے ہیں کہ انہیں تنگ کیا جاتا ہے اور وہ اپنے دین پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا نہیں ہو پاتے ہیں، پھر وہ یورپ کی طرف چلے جاتے ہیں جہاں وہ اپنی مساجد اور مدارس بنا کر آزادی سے رہتے ہیں اور شعائر دین کی پابندی کرتے ہیں، چنانچہ فرانس کے بارے میں مجھے بتلایا گیا کہ وہاں ایک بستی مساجد اور مدارس کی کثرت کی وجہ سے پورے طور پر مسلم بستی میں بدل چکی ہے، اور ایسا بعض عرب مہاجرین کی وجہ سے ہوا ہے، ان میں سے اکثر حج کیلئے آتے ہیں اور ہم لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں، ہمارے دروس میں شرکت کرتے ہیں اور کیسٹوں میں ریکارڈ کر کے لے بھی جاتے ہیں، پھر انہیں کیسٹوں سے وہاں بھی دعوت کا کام کرتے ہیں، اس طرح انکے درمیان بھی سلفیت پھیل رہی ہے۔

لیکن ہمارے اور انکے کاموں میں کوئی موازنہ نہیں ہے، ہم ایک اسلامی ملک میں رہتے

ہیں جہاں ہرطرح کا امن وامان ہے، وہ دارکفر میں رہتے ہیں، اللہ کی توفیق سے پوری بستی کو دار اسلام بنادیا، بعض مشائخ نے اس بستی کے بارے میں یہی فتوی دیا ہے کہ وہ دار اسلام ہے، سو وہ وہاں پر رہ کر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ ہم نے دار اسلام سے دارکفر کی طرف ہجرت کی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کی توفیق سے پوری بستی کو دار اسلام بنادیا ہے۔

یہ صحیح ہے حبشہ کی طرف صحابہ کرام کی ہجرت سے استدلال کرتے ہوئے، کیوں کہ وہ لوگ بھی مکہ میں ستائے جانے پر حبشہ چلے گئے جہاں پوری آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے اور رہتے تھے۔

دوسری قسم:

کچھ مسلمان یورپ، امریکہ اور بعض مشرقی ممالک کی طرف ہجرت کرتے ہیں اور وہاں جاکر کفار کے بیچ تنہا رہتے ہیں، وہ شعائر دین کی پابندی نہیں کرپاتے۔ بسااوقات دن کی نمازیں جیسے ظہر وعصر کی نمازیں رات خ ین پڑھتے ہیں، اور جمعہ کی نماز برابر ترک کرتے ہیں، کیونکہ اس دن کام کرتے ہیں اور چھٹی اتوار کے دن ہوتی ہے، اس طرح دیکھا جائے تو وہ بھی کفار اور جانوروں کک طرح رہتے ہیں، کام کرنے اور کھانے پینے کے سوا انکی زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔

اس طرح کی زندگی گزارنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے اس طرح کی ہجرت کی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس طرح کے دیار کفر کو چھوڑ کر دار اسلام کی طرف آجائے، تاکہ وہ آزادی سے شعائر دین کی پابندی کرسکے۔

چنانچہ کوئی بھی مسلمان اگر کہیں ستایا جائے اور اسکے لئے میسر ہو کہ وہ کسی اسلامی ملک میں ہجرت کر کے جا سکتا ہے جہاں اسے دین کی پابندی کرنے کی آزادی ہو تو ایسی صورت میں اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔ الا یہ کہ دعوت و تبلیغ کی وجہ سے وہاں پر رہنا اسکے لئے ضروری ہو، تو ایسی صورت میں گرچہ اسے ستایا جائے وہ وہیں پر رہنے کو ترجیح دے، جیسے کہ کوئی طالب علم ہے جو اپنے ملک میں جا کر دعوت کا کام کرتا ہے مگر اسے تکلیفوں کا سامنا ہے پھر بھی وہ وہیں پر رہنے کو ترجیح دے اور ہر ممکن طریقے سے دین کی تبلیغ کرے۔

بلکہ وہ اس وقت تک رہے جب تک کہ اسے کفر صریح کے ارتکاب کرنے اور نماز ترک کرنے پر مجبور نہ کیا جائے، ہاں اگر مجرد جسمانی اور مالی نقصان پہنچ رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اس پر صبر کرے اور دعوت کا کام کرتا رہے۔

ویسے اس امت پر بلاد کفر سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی ایسی جگہ رہتا ہے جہاں پر سلف صالحین (جیسے صحابہ) کو گالی دی جاتی ہو اور وہ گالی دینے والوں کو روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں اس جگہ کو ترک کرنا اس پر واجب ہے۔

یعنی اگر کوئی مسلمان صحابہ اور تابعین کے دشمنوں کے بیچ میں رہتا ہے جو انہیں علانیہ گالی دیتے ہوں لیکن وہ انہیں روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں وہاں اس کا رہنا جائز نہیں ہے، اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کر جانا واجب ہے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا - إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا - فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا} النساء آية ٩٧ - ٩٩، وَقَوْلُهُ تَعَالَى: {يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ} العنكبوت آية ٥٦.

قال البغوى رحمه الله: سبب نزول هذه الآية فى المسلمين الذين فى مكة لم يُهَاجِرُوا نَادَاهُمُ اللهُ بِاسْمِ الإِيمَانِ.

وَالدَّلِيلُ عَلَى الْهِجْرَةِ مِنَ السُّنَّةِ قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتَّى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ وَلا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مغربها"۔

ترجمہ: اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں، تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں، جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے؛ مگر جو مرد، عورتیں اور

بچے بے بس ہیں، جنھیں نہ کسی چارہٴ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے، بہت ممکن ہے کہ اللہ ان سے درگزر کرے۔ اللہ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔ سورہ النساء آیت: ۹۹۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے، سو تم میری ہی عبادت کرو۔ سورہ العنکبوت آیت: ۵۶۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کہا ہے: » یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی، جو مکہ شریف میں رہ گئے تھے اور جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ اللہ نے انھیں ایمان کے وصف سے متصف کر کے پکارا ہے۔

اور حدیث سے ہجرت کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ہجرت ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ توبہ کا سلسلہ ختم ہو جائے اور توبہ ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج پچھم سے نکل آئے۔

الشرح:

ہجرت کے وجوب پر دلیل اللہ کا یہ قول ہے: (إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ......) ترجمہ: جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں، تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔

امام بغوی وغیرہ نے اس آیت کی شان نزول کے بارے میں کہا کہ یہ ان لوگوں کے

بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ وہ مکہ ہی میں مشرکین کے ساتھ رہ گئے، جبکہ اس وقت قبول اسلام کیلئے ہجرت کرنا شرط تھی، یعنی جو اسلام قبول کرے اس پر واجب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ جائے، مکہ میں اس کا باقی رہنا جائز نہیں تھا، لیکن یہ لوگ نہیں نکلے، اور جب مشرکین مکہ بدر کی لڑائی کیلئے نکلے تو انہیں بھی مجبور کرکے لایا گیا تاکہ یہ بھی مسلمانوں سے جنگ کریں اور اس لڑائی میں یہ بھی مارے گئے، انہیں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے، کیونکہ انہوں نے کافروں کے بیچ رہ کر اپنے اوپر ظلم کیا، یا شرک کا ساتھ دیکر اپنے اوپر ظلم کیا بایں طور کہ اسلام لانے کے بعد بھی انکا اسلام قبول نہیں ہوا اور انہیں مشرکین میں شمار کیا گیا۔

انہیں لوگوں کے چہرے اور پشت پر فرشتے مار کر کہتے ہیں کہ تمہارا تعلق کن لوگوں سے ہے؟ مسلمانوں یا مشرکین سے؟ یہ استفہام عار دلانے اور ڈانٹ پھٹکار کیلئے ہے، اس پر معذرت خواہانہ طور پر کہتے ہیں کہ ہم کمزور تھے۔ لیکن اللہ کو معلوم ہیکہ انکا یہ عذر باطل ہے اسی لئے انکا یہ عذر مقبول نہیں ہوا، تو اس پر فرشتوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟

جیسے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ چلے جاتے، مگر کیوں نہیں گئے؟ انہیں لوگوں کے انجام کار کو بتلاتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: یہی لوگ ہیں، جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہیکہ اللہ نے انکے عذر کو قبول نہیں کیا، بلکہ صرف انہیں کے عذر کو قبول

کیا جنکا عذر اللہ کے یہاں صحیح تھا، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آگے فرمایا: (مگر جو مرد، عورتیں اور بچے بے بس ہیں، جنھیں نہ کسی چارۂ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے، بہت ممکن ہے کہ اللہ ان سے درگزر کرے۔ اللہ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔ سورہ النساء آیت: ۹۹۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: (كُنْتُ أَنَا ، وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ، أَنَا مِنَ الْوِلْدَانِ، وَأُمِّي مِنَ النِّسَاءِ) ۔ترجمہ: میں اور میری والدہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مکہ میں) کمزور مسلمانوں میں سے تھے۔ میں بچوں میں اور میری والدہ عورتوں میں۔ (صحیح بخاری: ۱۳۵۷)۔

معلوم ہوا کہ انسان جب اللہ کیلئے مخلص اور سچا ہوتا ہے اور اللہ تعالی اسکے عذر اور عاجزی کو جانتا ہے تو اس کے عذر کو قبول کرتا ہے اور اسے درگزر کر دیتا ہے، یہ قاعدہ ہر چیز میں لاگو ہوگا، ان لوگوں کی طرح نہیں کہ جو اسلام کے نام پر خوب چیختے چلاتے ہیں، لیکن جب تھوڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اپنا حقیقی چہرہ دکھا دیتے ہیں، یہ دراصل اسلام کے دشمن ہیں، کمنسٹ اور لبرل ہیں، انکا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ لوگوں کے جذبات کو بھڑکانے کیلئے صرف اسلام کا نام لیتے ہیں۔

بندے پر واجب ہیکہ وہ اپنے رب کے ساتھ سچائی اور اخلاص کا مظاہرہ کرے، سو جو اپنے عذر میں، اپنے اسلام میں اور استقامت دین میں سچا ہوگا اللہ اسکے عذر کو قبول کرے گا۔

یہاں یہ بھی ذکر کرنا مناسب ہیکہ اللہ تعالی جب کسی چیز کو واجب یا حرام ٹھہراتا ہے- اپنی طرف سے کسی حکمت اور اپنے بندوں پر شفقت کرتے ہوئے- تو ایسی صورت میں کچھ مستثنی بھی کرتا

ہے، چنانچہ اللہ نے ہر مومن پر ہجرت کو واجب کر دیا بایں طور کہ کسی کا اسلام اسی وقت قبول ہوگا جب وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جائے، اور یہ فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے، فتح مکہ کے بعد یہ وجوب ختم ہوگیا، اس طرح یہ ایک قاعدہ ہوگیا، اسکے باوجود اللہ نے کچھ کمزور اور مجبور لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

اسی طرح جب اللہ تعالی نے مردار، خون اور خنزیر کو حرام کیا تو پھر مجبور کیلئے جان بچانے کی خاطر مردار اور خنزیر کھانے کی اجازت دے دی، یہ اللہ کی رحمت ہے۔

اسی طرح آپ جب کتاب وسنت کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے تو ہر جگہ اس طرح کا استثنیٰ پائیں گے، اور اسی استثنیٰ پر قیاس کرتے ہوئے اصولیوں نے یہ قاعدہ بنایا ہے: (الضرورات تبیح المحظورات) یعنی ضرورت کے وقت حرام چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں۔

وجوب ہجرت پر ایک دلیل اللہ کا یہ قول بھی ہے: (يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ} ترجمہ: اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے، سو تم میری ہی عبادت کرو۔ سورہ العنکبوت آیت: ۵۶۔

یعنی تم یہاں رہنے پر مجبور نہیں ہو اسلئے دار کفر سے دار اسلام کی طرف نکل جاؤ، یا دار خوف سے دار امن کی طرف نکل جاؤ اور وہاں پوری آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو۔

اس طرح ہجرت فتح مکہ تک واجب تھی، اس کے بعد وجوب ختم ہوگیا سوائے اس جگہ سے جہاں پر شعائر دین کی پابندی کرنا دشوار ہو۔

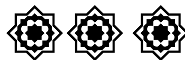
آگے شیخ نے کہا: (امام بغوی رحمہ اللہ نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کہا

ہے: یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی، جومکہ شریف میں رہ گئے تھے اور جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ اللہ نے انھیں ایمان کے وصف سے متصف کر کے پکارا ہے)۔

یہاں اس آیت سے سورہ عنکبوت کی آیت مراد ہے نہ کہ سورہ نساء کی، جہاں تک سورہ نساء کی آیت کا تعلق ہے تو اس کا شان نزول گزر چکا ہے اور جہاں لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے: ایک وہ لوگ جنہیں معذور سمجھا گیا اور دوسرے وہ لوگ جنہیں معذور نہیں سمجھا گیا۔

آگے شیخ نے کہا: (اور حدیث سے ہجرت کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ہجرت ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ توبہ کا سلسلہ ختم ہو جائے اور توبہ ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج پچھم سے نکل آئے)۔

یہ ہجرت جسکا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا اس سے وہ ہجرت مراد نہیں ہے جو مکہ سے مدینہ کی طرف تھی بلکہ یہ وہ ہجرت ہے جو دور کفر سے دار اسلام کی طرف ہوتی ہے۔ (فتح الباری: ٦/ ١٩٠)۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فَلَمَّا اسْتَقَرَّ فِي الْمَدِينَةِ أُمِرَ بِبَقِيَّةِ شَرَائِعِ الإِسْلامِ مِثْلِ الزَّكَاةِ، وَالصَّوْمِ، وَالْحَجِّ، وَالأَذَانِ، وَالْجِهَادِ، وَالأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ شَرَائِعِ الإِسْلامِ۔

ترجمہ: جب مدینے میں آپ کو استقلال نصیب ہوا، تو اسلام کے بقیہ احکامات کا آپ کو حکم دیا گیا، جیسے زکوۃ، روزہ، حج، اذان، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ دیگر شرائع اسلام۔

الشرح:

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اس وقت لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دیتے تھے اور اپنی دعوت کو تصحیح عقیدہ پر مرکوز رکھتے تھے، لیکن جب مدینہ ہجرت کر کے آگئے اور وہاں پر آپ کو استقلال نصیب ہوا، تو اسلام کے بقیہ احکامات کا آپ کو حکم دیا گیا، جیسے زکوۃ، روزہ، حج، اذان، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ دیگر شرائع اسلام۔

آج بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اور جہاد ان واجبات اسلام میں سے ہے جن کے تعلق سے کافی لاپرواہی پائی جاتی ہے، آزادی کے نام پر آج اکثر ممالک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نہیں ادا کیا جاتا ہے، اور اس ملک میں گرچہ یہ فریضہ ادا ہو رہا ہے مگر یہاں بھی کمزوری دکھ رہی ہے، دعا ہیکہ اللہ تعالی ذمیداران کو اس کی توفیق دے، کیوں کہ یہ اس ملک کی امتیازی شان ہے، فنسال اللہ التوفیق والسداد۔

اور جہاں تک جہاد کا تعلق ہے تو آج کل اکثر لوگوں نے اسے ایک کھوکھلا نعرہ بنا رکھا ہے، وہ صرف نعرہ لگانے والے ہیں، لیکن جب فی الواقع دین کی خاطر جہاد اور جد و جہد کی ضرورت پڑتی ہے تو معذرت کر جاتے ہیں یا اپنا سکتا جہاد شروع کر دیتے ہیں یعنی غیر شرعی جہاد، کیونکہ دین کی سر بلندی کی خاطر جہاد کرنے والے بہت کم ہیں، ایسے لوگ پورے اخلاص اور خاموشی سے دین کی خاطر جہاد کر رہے ہیں۔

اسلئے طلبہ اور نوجوانوں کو درج ذیل حدیث کا مطلب اور مراد سمجھنے کی ضرورت ہے:

عَنْ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ (صحیح بخاری: ۲۴۴۳)۔

صحابہ کیلئے اس حدیث کا سمجھنا مشکل ہوگیا تو فورا سوال کیا کہ مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے پر ظالم کی مدد ہم کیسے کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اسے ظلم سے روک دو، یہی اسکی مدد کرنا ہے۔

اس طرح اس حدیث کے اندر بیک وقت دو مفہوم پایا جاتا ہے: ایک جاہلی مفہوم اور دوسرا اسلامی مفہوم۔ اسلامی مفہوم کی وضاحت خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی جبکہ جاہلی مفہوم یہ ہیکہ آپ بھی ظالم کے ظلم میں شریک ہو جاؤ اور اسی کے ساتھ آپ بھی ظلم کرنے لگو، اسکی تائید کرو، اسکے حق میں تالی بجاؤ، یہاں تک کہ وہ اپنے ظلم کو دراز کرے اور آپ کے ابھارنے سے وہ مزید

ظلم کرتا رہے۔

اور آج کل اسلام کے نام پر نعرہ بازوں کے یہاں یہی پایا جاتا ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے، کیونکہ یہ کھوکھلے نعروں کے سوا اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

أَخَذَ عَلَى هَذَا عَشْرَ سِنِينَ. وَتُوُفِّيَ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَدِينُهُ بَاقٍ، وَهَذَا دِينُهُ، لَا خَيْرَ إِلَّا دَلَّ الأُمَّةَ عَلَيْهِ وَلَا شَرَّ إِلَّا حَذَّرَهَا مِنْهُ، وَالْخَيْرُ الَّذِي دَلَّهَا عَلَيْهِ التَّوْحِيدُ وَجَمِيعُ مَا يُحِبُّهُ اللهُ وَيَرْضَاهُ، وَالشَّرُّ الَّذِي حَذَّرَهَا مِنْهُ الشِّرْكُ وَجَمِيعُ مَا يَكْرَهُهُ اللهُ وَيَأْبَاهُ.

ترجمہ: اس کے مطابق آپ نے دس سال گذارے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے، لیکن آپ کا دین باقی ہے۔ آپ نے امت کو ہر بھلائی کی راہ دکھائی ہے اور ہر برائی سے آگاہ کیا ہے۔ جس خیر کی طرف آپ نے امت کی رہنمائی کی اس میں سرفہرست توحید ہے نیز اس میں اللہ کی پسند و رضا کے سارے کام شامل ہیں، اور جس شر اور برائی سے آپ نے ڈرایا ہے، اس میں سرفہرست شرک ہے ساتھ ہی اس میں تمام وہ کام شامل ہیں جو اللہ کو ناپسند اور ناگوار ہیں۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (اس کے مطابق آپ نے دس سال گذارے)۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سالوں تک باحیات تھے اور اس دوران احکام شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔

آگے شیخ نے کہا: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے، لیکن آپ کا دین باقی ہے)۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے مگر آپ کا لایا ہوا دین فوت نہیں ہوا ہے، اسلئے کہ

وہ رب العالمین کا دین ہے، جو کہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دین کی تبلیغ کر دی، عقیدہ، توحید اور دیگر احکامات دین کو عام کر دیا، اور جب اللہ تعالی نے اسلام اور مسلمانوں کو پائیدار بنا دیا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت لیکر آئے تھے اسے لوگوں نے اچھی طرح سمجھ لیا، تو پھر اللہ نے اپنے نبی کو اٹھا لیا، اور دین کی تکمیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی طرف اشارہ ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے اندر ساری چیزوں کی وضاحت کے بعد کہا تھا: (وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟، قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ، فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: اللَّهُمَّ اشْهَدِ اللَّهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) ترجمہ: تم سے سوال ہوگا (قیامت میں) اور میرا حال پوچھا جائے گا پھر تم کیا کہو گے؟" تو ان سب نے عرض کی کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچایا اور رسالت کا حق ادا کیا اور امت کی خیر خواہی کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا اپنی انگشت شہادت (کلمہ کی انگلی) سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور لوگوں کی طرف جھکاتے تھے اور فرماتے تھے: "یا اللہ! گواہ رہو، یا اللہ! گواہ رہو، یا اللہ! گواہ رہو۔" تین بار یہی فرمایا اور یونہی اشارہ کیا۔ (صحیح مسلم: ۱۲۱۸)۔

اور اس حج کو حجۃ الوداع کہا گیا کیونکہ اس حج کی واپسی کے بعد مدینہ کے اندر آپ صرف اسی دنوں تک بقید حیات تھے، اور پھر رفیق اعلی سے جا ملے، بعد اسکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی مکمل تبلیغ کر دی اور اپنی امت کو نصیحت بھی فرما دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر

صحابہ سے فرمایا: (إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ، وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ) ترجمہ: مجھ سے قبل کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے ذمے اپنے علم کے مطابق اپنی امت کی بھلائی کی طرف راہنمائی لازم نہ ہو اور برائی سے اپنے علم کے مطابق انہیں ڈرانا لازم نہ ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۸۴۴)۔

یہ سب اس بات پر دلیل ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی مکمل تبلیغ کر دی ہے۔

اسی جانب شیخ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا: (آپ نے امت کو ہر بھلائی کی راہ دکھائی ہے اور ہر برائی سے آگاہ کیا ہے)۔

اس طرح اللہ نے آپ کے ہاتھ پر دین کو مکمل کر دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خیر کی طرف امت کی رہنمائی کی، اس میں سرفہرست توحید ہے۔ یعنی عبادت میں اللہ کو ایک جاننا، کیونکہ توحید مطلق طور پر بولا جاتا ہے تو اس میں توحید عبادت نیز اس میں اللہ کی پسند و رضا کے سارے کام شامل ہو جاتے ہیں، کیونکہ نیکیاں توحید کا وسیلہ ہیں، انہیں سے دلوں میں توحید راسخ ہوتا ہے اور اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔

اور جس شر اور برائی سے آپ نے ڈرایا ہے، اس میں سرفہرست شرک ہے ساتھ ہی اس میں تمام وہ کام شامل ہیں جو اللہ کو ناپسند اور ناگوار ہیں؛ کیونکہ معاصی اور برائیاں شرک کا وسیلہ ہیں، انہیں سے لوگ شرک اور بدعات کی طرف راغب ہوتے ہیں۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

بَعَثَهُ اللهُ فِي النَّاسِ كَافَّةً، وَافْتَرَضَ طَاعَتَهُ عَلَى جَمِيعِ الثَّقَلَيْنِ الْجِنِّ وَالإِنْسِ. وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا} الأعراف آية ١٥٨، وَكَمَّلَ اللهُ بِهِ الدِّينَ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا} المائدة آية ٣.

وَالدَّلِيلُ عَلَى مَوْتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ - ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ} الزمر ٣٠، ٣١۔

ترجمہ: اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا اور سارے جنوں اور انسانوں پر آپ کی اطاعت کو فرض کیا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں۔ سورہ الاعراف آیت: ۱۵۸۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے دین اسلام کو مکمل کر دیا۔ اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ سورہ المائدہ آیت: ۳۔

آپ ﷺ کی وفات ہو چکی ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں، پھر تم سب کے سب قیامت والے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے۔ سورہ الزمر آیت: ۳۱۔

الشرح:

اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا صرف عربوں کیلئے نہیں، اور نہ ہی صرف انسانوں کی طرف بلکہ تمام انس و جن کیلئے بھیجا اور سارے جنوں اور انسانوں پر آپ کی اطاعت کو فرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا مخلوق میں ایسا کوئی نہیں ہے جسکی مطلق اطاعت فرض ہو۔

شیخ نے کہا: (اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے دین اسلام کو مکمل کر دیا)۔

اور جو چیز کامل ہوتی ہے وہ زیادتی برداشت نہیں کرتی، سو اللہ کا دین مکمل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) ترجمہ: آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ سورہ المائدہ آیت: ۳۔

اور آج کے دن سے مراد حجۃ الوداع کے وقت میدان عرفہ میں جمعہ کا دن ہے۔ اس طرح اللہ نے دین کو مکمل کر دیا جس کے اندر کسی کمی بیشی کا امکان نہیں ہے، چنانچہ سب جو بھی اس میں کمی بیشی کرے گا وہ بدعت اور مردود ہوگا، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد

ہے۔“

مزید آگے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۷۱۸)۔

اسلئے کہ اب دین مکمل ہو چکا ہے، انسان پر صرف اطاعت واجب ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (آپ ﷺ کی وفات ہو چکی ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ - ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ) ترجمہ: یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں، پھر تم سب کے سب قیامت والے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے۔سورہ الزمر آیت: ۳۱۔)۔

تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے بہت سارے غلو کرنے والے لوگوں سے اگر آپ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے تو وہ غضب ناک ہو جائے گا، دیکھیں آخر لوگوں کی جہالت کا حد تک پہونچی ہوئی ہے کہ وفات نبوی کی بات سن کر غضب ناک ہو رہا ہے جبکہ اس حقیقت کو خود اللہ نے اپنی کتاب میں واضح کیا ہے، مگر یہ لوگوں کے جذبات ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لفظ موت اور وفات کا سننا گوارا نہیں کرتے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت کرنے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسکا اقرار کیا تھا جب آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کہا تھا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں پاک ہیں ۔(صحیح بخاری: ۳۶۶۷)۔

اسلئے یہ ٹھیک نہیں ہیکہ ایک مسلمان اس حد تک جذباتی ہو جائے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کی تکذیب کرنے تک پہونچ جائے ۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَالنَّاسُ إِذَا مَاتُوا يُبْعَثُونَ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى} طه آية ٥٥، وقَوْلُهُ تَعَالَى: {وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا - ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا} نوح آية ١٧، ١٨۔

وَبَعْدَ الْبَعْثِ مُحَاسَبُونَ وَمَجْزِيُّونَ بِأَعْمَالِهِمْ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى} النجم آية ٣١، وَمَنْ كَذَّبَ بِالْبَعْثِ كَفَرَ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ} التغابن آية ٧۔

ترجمہ: سارے لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: اسی (زمین میں) سے ہم نے تمھیں پیدا کیا، اسی میں پھر تمھیں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔ سورہ طہ آیت: ۵۵۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: اور اللہ نے تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام سے) اگایا ہے (پیدا کیا ہے)، پھر تمہیں اسی میں لوٹائے گا اور (ایک خاص طریقہ) سے پھر نکالے گا۔ سورہ نوح آیت: ۱۸۔

اور اٹھائے جانے کے بعد ان کا حساب و کتاب ہوگا اور انھیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا

جائے گا۔ دلیل یہ ارشاد باری تعالی ہے: اور اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے؛ تا کہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے۔ سورہ النجم آیت: ۳۱۔

موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلانے والا کافر ہے۔ دلیل یہ ارشاد باری تعالی ہے: ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو تم نے کیا ہے، اس کی خبر دیے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔ سورہ التغابن آیت: ۷۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (سارے لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے)۔

اصول ایمان میں سے ایک یہ بھی ہیکہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لایا جائے، اسکی دلیل اللہ کا یہ قول ہے: (مِنۡهَا خَلَقۡنَاكُمۡ وَفِيهَا نُعِيدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً أُخۡرَى) ترجمہ: اسی (زمین میں) سے ہم نے تمھیں پیدا کیا، اسی میں پھر تمھیں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔ سورہ طٰہ آیت: ۵۵۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: (وَاللَّهُ أَنۢبَتَكُم مِّنَ ٱلۡأَرۡضِ نَبَاتًا - ثُمَّ يُعِيدُكُمۡ فِيهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ إِخۡرَاجًا} ترجمہ: اور اللہ نے تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام سے) اگایا ہے (پیدا کیا ہے)، پھر تمہیں اسی میں لوٹائے گا اور (ایک خاص طریقہ) سے پھر نکالے گا۔ سورہ

نوح آیت:۱۸۔

آگے شیخ نے کہا: (اور اٹھائے جانے کے بعد ان کا حساب وکتاب ہوگا اور انھیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا)۔

یعنی میدان محشر میں اٹھائے جانے کے بعد حوض سے گزرنا ہوگا، وہیں پر میزان ہوگا جہاں حساب کتاب ہوگا، اعمال کی پیشی ہوگی، ان اعمال کی ترتیب کو لیکر اہل علم کا اختلاف ہے، کچھ لوگوں کا رجحان غالب یہی ہیکہ سب سے پہلے حوض سے گزرنا ہوگا، کیوں کہ مقام اسی کا متقاضی ہے، اس لئے کہ لوگ جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اس وقت وہ پیاسے ہوں گے، انہیں پانی کی ضرورت ہوگی، اسی لئے اللہ نے امت محمدیہ پر حوض کہ ذریعے احسان کیا ہے، یہ ایک عظیم حوض ہوگا جو جنت سے نکلا ہوگا، مومنین وہاں پہونچیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکے انتظار میں ہوں گے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے وہاں پہونچیں گے، اور آپ کا منبر حوض پر ہوگا۔ (صحیح بخاری:۱۱۹۶)۔

البتہ کچھ لوگوں کو وہاں سے دھتکار دیا جائے گا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی وجہ معلوم نہیں ہوگی اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگیں گے کہ میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلَيُرْفَعَنَّ مَعِي رِجَالٌ مِنْكُمْ، ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُونِي، فَأَقُولُ يَا رَبِّ: أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے حوض پر تم سے پہلے ہی موجود رہوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر انہیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں لیکن مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ (صحیح بخاری:٦٥٧٦)۔

ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے: (إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ) ترجمہ: آپ کی وفات کے بعد ان لوگوں نے پھر کفر اختیار کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری:٣٣٤٩)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے: (إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ"، فَأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي) ترجمہ: کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ اس پر میں کہوں گا کہ دور ہو وہ شخص جس نے میرے بعد دین میں تبدیلی کر لی تھی۔ (صحیح بخاری: ٦٥٨٤)۔

اس حدیث سے اہل علم نے یہ استدلال کیا ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ کے بعد دین میں تبدیلی ہو جائے گی اور لوگ مرتد ہو جائیں گے، اسلئے کہ علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے، انبیاء اپنی زندگی میں علم غیب سے رہی جانتے ہیں جتنا انہیں اللہ کی طرف سے باخبر کیا جاتا ہے۔

اور بعض اہل علم کے نزدیک یہ حدیث درج ذیل ایک دوسری حدیث سے متعارض

ہے: (يُعْرَضُ عَلَى الاموات أَعْمَالُكُمْ ، فَإِذَا رَأَوْا حَسَنًا فَرِحُوا وَاسْتَبْشَرُوا ، وَقَالُوا: هَذِهِ نِعْمَتُكَ عَلَى عَبْدِكَ فَأَتِمَّهَا ، وَإِنْ رَأَوْا سُوءًا ا كتأبوا وقَالُوا: اللَّهُمَّ رَاجِعْ بِعَبْدِكَ) ترجمہ: گھر کے مُردوں پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، سو جب وہ نیکی دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور خوشخبری سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تیرے بندے پر یہ تیری نعمت ہے اسے پورا کردے۔ اور اگر برائی دیکھتے ہیں تو کبیدہ خاطر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ اپنے بندے کو معاف کردے۔ (العلل المتناھیہ لابن الجوزی: ۲/ ۹۱۱)۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ پر آپکی امت کے اعمال کو پیش کیا جاتا ہے۔

پھر مذکورہ دونوں حدیثوں میں تطبیق کیسے ممکن ہے؟

بعض اہل علم نے دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے کہا کہ اعمال کی پیشی والی حدیث صحیح نہیں ہے اور اگر صحیح مان بھی لیں تو اسکا مطلب یہ ہیکہ آپ منجملہ طور پر جانتے ہیں تفصیلی جانکاری نہیں ہوتی ہے۔ اور جہاں تک تفصیلی معلومات کا تعلق ہے کہ کون مرتد ہوا، کس نے دین میں تبدیلی کی اور کس نے بدعت ایجاد کی اس کا علم نہیں ہے۔

بہر کیف یہاں پر یہی کہیں گے کہ پہلے حوض سے گزرنا ہوگا پھر میزان پر اعمال تولے جائیں گے، پھر حساب کتاب ہوگا، یعنی اعمال کی پیشی ہوگی، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن نَافِعِ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، " أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ إِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ أَوَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا سورة الانشقاق آية 8، قَالَتْ، فَقَالَ: إِنَّمَا ذَلِكِ الْعَرْضُ، وَلَكِنْ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكْ".

ترجمہ: نافع بن عمر نے خبر دی، انہیں ابن ابی ملیکہ نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا جب کوئی ایسی باتیں سنتیں جس کو سمجھ نہ پاتیں تو دوبارہ اس کو معلوم کرتیں تاکہ سمجھ لیں۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب کیا جائے گا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے کہا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صرف (اللہ کے دربار میں) پیشی کا ذکر ہے۔ لیکن جس کے حساب میں جانچ پڑتال کی گئی (سمجھو) وہ غارت ہوگیا۔ (صحیح بخاری: ۱۰۳)۔

اسکے بعد لوگوں کو انکے اعمال کے حساب سے بدلہ دیا جائے گا، جنکی نیکی زیادہ ہوگی، اعمال میں اخلاص اور توحید پایا جائے گا تو انہیں بلا حساب کتاب کے جنت میں ڈال دیا جائے گا، کچھ ایسے ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکے حق میں سفارش کریں گے اور یہ شفاعت عامہ ہوگی، پھر یہ لوگ بھی عذاب بھگتے بغیر جنت میں چلے جائیں گے، اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زیادہ گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں عذاب بھگتنے کیلئے

ڈال دیئے جائیں گے، پھر انکے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی سفارش کریں گے جس کی بنیاد پر انہیں دوزخ سے نکالا جائے گا اور پھر انہیں بھی جنت میں ڈال دیا جائے گا، اسی طرح مرتکبین کبائر کیلئے بھی شفاعت کریں گے تو انہیں بھی دوزخ سے نکالا جائے گا جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری شفاعت امیری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے“۔ (سنن ابی داود: ۴۷۳۹)۔

(یعنی جن لوگوں کے کبیرہ گناہ ان کے جنت میں جانے سے مانع ہوں گے جبکہ وہ موحد تھے تو ان کے لئے میری شفاعت جنت میں جانے کا ذریعہ ہوگی، لیکن یہ شفاعت اللہ کے حکم اور اس کے اِذْن سے ہوگی جیسا کہ آیت الکرسی میں نیز اس آیت میں ہے:”یومئذ لا تنفع الشفاعة إلا من أذن له الرحمن ورضی له قولا“ (سورۃ طہ: ۱۰۹) کسی مشرک کو شفاعت نصیب نہ ہوگی، اس لئے ہر آدمی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ شرک و بدعت کو سمجھے، اور اس بات کی پوری کوشش کرے کہ وہ ان سب سے دور رہے، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے بچائے، تا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ہو۔ مترجم)۔

اور آخر میں دیکھا جائے گا اگر کسی کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا تو اسے بھی دوزخ

سے نکالا جائے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا، فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ، وَلَكِنْ نَاسٌ أَصَابَتْهُمُ النَّارُ بِذُنُوبِهِمْ، أَوْ قَالَ: " بِخَطَايَاهُمْ فَأَمَاتَهُمْ إِمَاتَةً، حَتَّى إِذَا كَانُوا فَحْمًا، أُذِنَ بِالشَّفَاعَةِ، فَجِيءَ بِهِمْ ضَبَائِرَ ضَبَائِرَ فَبُثُّوا عَلَى أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ قِيلَ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، أَفِيضُوا عَلَيْهِمْ، فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ تَكُونُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ لوگ جو جہنم والے ہیں (یعنی ہمیشہ وہاں رہنے کے لئے ہیں جیسے کافر اور مشرک) وہ نہ تو مریں گے نہ جئیں گے لیکن کچھ لوگ جو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے، آگ ان کو مار کر کوئلہ بنا دے گی۔ پھر اجازت ہوگی شفاعت ہوگی اور یہ لوگ لائے جائیں گے گروہ گروہ اور پھیلائے جائیں گے جنت کی نہروں پر اور حکم ہوگا اے جنت کے لوگو! ان پر پانی ڈالو تب وہ اس طرح سے جمیں گے جیسے دانہ اس مٹی میں جمتا ہے جس کو پانی بہا کر لاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۸۵)۔

یعنی پاکی اور صفائی کے بعد انہیں جنت میں ڈالا جائے گا کیونکہ جنت پاک لوگوں کیلئے ہے۔

اس تعلق سے اہل سنت والجماعہ کے عقیدے کا خلاصہ یہی ہے کہ اگر کسی کے پاس کچھ بھی ایمان ہے تو وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

(فَيَقُولُ: انْطَلِقْ، فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ، فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ) ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ اور جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے کم سے کم تر حصہ کے برابر بھی ایمان ہو اسے بھی جہنم سے نکال لو۔ پھر میں جاؤں گا اور نکالوں گا۔ (صحیح بخاری: ۷۵۱۰)۔

آگے شیخ نے کہا: (دلیل یہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى) ترجمہ: اور اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے۔ سورہ النجم آیت: ۳۱۔)۔

یہاں پر اچھا بدلہ سے مراد جنت اور زیادہ سے مراد دیدار الٰہی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ صُهَيْبٍ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا، أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ ".

ترجمہ: سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب جنتی، جنت میں جا چکیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ فرمادے گا تم اور کچھ زیادہ چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے منہ سفید نہ کیئے ہم کو جنت نہ دی جہنم سے نہ بچایا (اب اور کیا چاہیئے) پھر پردہ اٹھ جائے گا۔ اس وقت جنتیوں کو کوئی چیز اس سے بھلی معلوم نہ ہوگی یعنی اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے سے۔" (صحیح مسلم: ۱۸۱)۔

یہ نعمت ان مومنوں کو نصیب ہوگی جو اللہ کی صفت وجہ پر ایمان لاتے ہیں لیکن جو صفت وجہ کے منکر ہیں وہ اس لائق ہیں کہ قیامت کے روز دیدار الٰہی سے محروم رہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلانے والا کافر ہے۔ دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ) ترجمہ: ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو تم نے کیا ہے، اس کی خبر دیے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔ سورہ التغابن آیت: ۷۔)۔

دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرنا کفر ہے، کیونکہ اس سے اللہ اور اسکے رسول کی تکذیب لازم آتی ہے، اور جو اللہ کہ تکذیب کرے خواہ اسکا تعلق آخرت کی خبروں سے ہو یا اسکے صفات سے متعلق ہو یا احکام وعبادات سے متعلق ہو، یا کوئی بھی خبر ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کی بھی تکذیب لازم آتی ہے، تو وہ مرتد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ نواقض اسلام میں سے ہے اور اسکی دلیل اللہ کا یہی قول ہے: (ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے)۔ انہیں کافر

کہا جو دوبارہ اٹھائے جانے کی تکذیب کرتے ہیں۔اور آگے فرمایا:(آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔پھر جو تم نے کیا ہے، اس کی خبر دیے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔سورہ التغابن آیت:۷۔)۔

سو جس ذات نے تمہیں عدم سے وجود بخشا اسے دوبارہ اٹھانے سے کوئی عاجز نہیں کرسکتا کیوں کہ عقلی ناحیئے سے بھی اعادہ اور تکرار کے مقابلے آغاز اور ابتداء کرنا مشکل ہوتا ہے، جبکہ اللہ پر کوئی چیز مشکل نہیں ہے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَأَرْسَلَ اللهُ جَمِيعَ الرُّسُلِ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ} النساء آية ١٦٥ وَأَوَّلُهُمْ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلامُ وَآخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَالدَّلِيلُ عَلَى أَنَّ أَوَّلَهُمْ نُوحٌ قَوْلُهُ تَعَالَى: {إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ} النساء آية ١٦٣۔

ترجمہ: اللہ نے تمام رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا۔ دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ہم نے انھیں رسول بنایا ہے، خوش خبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے؛ تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔سورہ النساء:۱۶۵۔

سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام اور سب سے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں، اس کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے، جیسے کہ نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی تھی۔سورہ النساء آیت:۱۶۳۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (اللہ نے تمام رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا)۔

اس کے اندر رسولوں کا مشن اور سنگین ذمیداری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کو خوشخبری سناتے ہیں اور گنہگاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں، اور دلیل اللہ کا یہ قول ہے: (رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ) ترجمہ: ہم نے انھیں رسول بنایا ہے، خوش خبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے؛ تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔ سورہ النساء: ۱۶۵۔

تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا اور نہ ہی کوئی کتاب نازل ہوئی، اسی لئے رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کے بعد نیز رسولوں اور انکے پیروکاروں کی طرف سے وضاحت و بیان کے بعد لوگوں پر اللہ کے سامنے کوئی حجت نہیں رہے گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہیکہ جس کے پاس رسالت نہ پہونچی ہو یا اسلام کے بارے میں کوئی جانکاری نہ ہو کسی بھی وجہ سے تو کیا وہ معذور سمجھا جائے گا یا نہیں؟

جواب: وضاحت اور بیان ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ) ترجمہ: اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔ (النحل: ۴۴)۔

ویسے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی شافی وضاحت کر دی ہے، پھر کبھی کبھی کچھ نہ کچھ شکوک وشبہات اور گمراہیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اس وضاحت کو سمجھنے میں حائل ہو جاتی ہیں، جیسا کہ عباسی دور میں علم کلام کی وجہ سے آج تک شبہات پائے جاتے ہیں اور اسماء وصفات کے تعلق سے بہت سارے لوگوں پر معاملہ مشکوک ہوگیا ہے، پھر اسکے بعد تصوف اور وحدت الوجود نے بھی مسلمانوں کے اندر در آیا اور پھر عبادت کا معاملہ بہت سارے لوگوں پر مشکوک ہوگیا، اس کہ وجہ سے اللہ کے حقوق اور بندوں کے بالخصوص نیک بندوں کے حقوق میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ عقیدہ، عبادت اور احکام شریعت کے باب میں گمراہ ہو گئے، یہاں تک شبہات پیدا ہو گئے کہ لوگ اس مقصد کو بھی بھول بیٹھے جس مقصد کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے۔

تو کیا یہ لوگ معذور سمجھے جائیں گے یہاں تک کہ انکے سامنے حق واضح ہو جائے یا مجرد رسولوں کی بعثت اور کتابوں کا اتارنا کافی ہے گر چہ لوگ مختلف شکوک وشبہات کا شکار ہوں؟

اللہ کے عدل کے جو لائق ہے اور محققین علماء کی جو رائے ہے وہ یہی ہے کہ اگر کسی کو شبہ ہے تو وہ معذور ہوگا، لیکن جس کے سامنے حق اور ہدایت واضح ہو، پھر بھی وہ ہٹ دھرمی یا تقلید وتعصب کی وجہ سے انکار کرے تو پھر وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس اہم مسئلے پر نفیس کلام کیا ہے اور اچھی وضاحت فرمائی ہے، اسی طرح شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اپنی کتاب" القواعد المثلی" کے اندر اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، اور اس پر بعض مراجع کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے،

اور ان شاء اللہ یہی حق ہوگا۔ چنانچہ لوگ دین کے اصول وفروع دونوں میں معذور رہوں گے جب تک انکے سامنے حق اور ہدایت واضح نہ ہوجائے، واللہ اعلم۔

آگے شیخ نے کہا: (سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں)۔

یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں یا آدم علیہ السلام؟ لیکن اکثریت کی رائے یہی ہیکہ سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ آپ ہی کی قوم میں سب سے پہلے شرک واقع ہوا ہے اس سے پہلے شرک واقع نہیں ہوا ہے، البتہ کچھ آثار ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام نبی اور رسول دونوں ہیں۔ (لیکن درست بات یہی ہیکہ نوح علیہ السلام ہی سب سے پہلے رسول ہیں، جیسا کہ حدیث شفاعہ میں اسکی صراحت ہے۔ صحیح مسلم: ۱۹۴۔)۔

آگے شیخ نے کہا: (اور سب سے آخری رسول محمد ﷺ ہیں اور آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں)۔

سو اب اگر کوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ختم نبوت کا انکار کرے اور اپنے لئے یا کسی دوسرے کیلئے نبی ہونے کا دعوی کرے تو وہ مرتد ہوگا۔

آگے شیخ نے کہا: (نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں، اس کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے: (إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ) ترجمہ: یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے، جیسے کہ نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی تھی۔ سورہ النساء آیت: ۱۶۳۔)۔

یہ آیت جس سے مصنف رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے اور دوسروں نے بھی استدلال کیا ہے بعض لوگ اس استدلال پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں اس بات کی صراحت

نہیں ہے کہ نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں، گر چہ بظاہر معلوم ہوتا ہے، اور دونوں میں فرق ہے، کیونکہ ظاہر کے اندر دو معنوں کا احتمال ہوتا ہے جب کہ نص صریح کے اندر صرف ایک ہی معنی کا احتمال ہوتا ہے، اور آیت کے اندر بظاہر گر چہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں مگر صراحت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وكل أمة بعث الله إليهم رسولا من نوح إلى محمد يأمرهم بعبادة الله وَحْدَهُ وَيَنْهَاهُمْ عَنْ عِبَادَةِ الطَّاغُوتِ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطاغوت} النحل آية ٣٦، وَافْتَرَضَ اللهُ عَلَى جَمِيعِ الْعِبَادِ الْكُفْرَ بِالطَّاغُوتِ وَالإِيمَانَ بِاللهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر امت کی طرف رسول بھیجے ہیں، جو اپنی امت کے لوگوں کو صرف اللہ کی عبادت کا حکم دیتے اور "طاغوت" کی عبادت سے منع کرتے چلے آئے ہیں۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو۔ سورہ النحل آیت: ۳۶۔

اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں (جن وانس) پر طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان لانا فرض قرار دیا ہے۔

الشرح:

اللہ نے جتنے بھی نبی بھیجے ہیں سب کی دعوت کی چابی یہی تھی کہ اللہ کی عبادت کرو، اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمام رسولوں کی دعوت کی چابی یہی تھی، اس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے: (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطاغوت) ترجمہ: اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو۔ سورہ النحل آیت:

۳۶۔

آیت کے اندر کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی پوری تفسیر موجود ہے، اس سے پہلے کچھ ایسی آیتوں کی تفسیر کی گئی ہے جو کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کے معنی کو شامل ہیں، انہیں میں یہ آیت بھی ہے، گرچہ یہ کلمہ کی ترتیب پر نہیں ہے، لیکن معنی وہی ہے، کیونکہ اللہ کا قول: (اُعْبُدُوا اللّٰهَ) کلمہ کے جزء (الا اللہ) کے مساوی ہے، جبکہ اللہ کا قول: (وَاجْتَنِبُوا الطاغوت) کلمہ توحید کے جزء (لا الہ) کے مساوی ہے۔

آگے شیخ نے کہا: (اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں (جن وانس) پر طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان لانا فرض قرار دیا ہے)۔

چنانچہ اگر بندہ طاغوت کا انکار نہ کرے تو اسکا صرف اللہ پر ایمان لانا کافی نہیں ہوگا، بلکہ ایمان باللہ کے ساتھ انکار طاغوت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کے اندر نفی اور اثبات دونوں ہے، یعنی (لا الہ) کے ذریعے تمام غیر اللہ کی عبادت کی نفی ہے اور (الا اللہ) کے ذریعے صرف اللہ کی عبادت کا اثبات ہے۔



شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: مَعْنَى الطَّاغُوتِ مَا تَجَاوَزَ بِهِ الْعَبْدُ حَدَّهُ مِنْ مَعْبُودٍ أَوْ مَتْبُوعٍ أَوْ مُطَاعٍ۔

ترجمہ: امام ابن قیم رحمہ اللہ" طاغوت" کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "طاغوت کے اندر وہ سارے معبود، متبوع اور مطاع داخل ہیں، جن کی وجہ سے بندہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے۔

الشرح:

طاغوت ماخوذ ہے طغیان سے، جسکا معنی حد سے تجاوز کرنا ہوتا ہے، کہتے ہیں: (طغی فلان) یعنی فلاں حد سے تجاوز کر گیا، اس طرح طاغوت کہتے ہیں ان سارے معبود، متبوع اور مطاع کو جن کی وجہ سے بندہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے۔

سوال یہ ہیکہ بندے کی حد کیا ہے؟

جواب: بندے کی حد یہ ہیکہ وہ صرف اللہ کی عبادت کرے، چونکہ وہ بندہ ہے اسلئے اسے چاہئے کہ وہ اپنے اس رب کی عبادت کرے جس نے اسے پیدا کیا ہے، پس جیسے ہی اس حد کو پار کرے گا اور عبادت کی کوئی بھی قسم اور شکل غیر اللہ کی طرف پھیرے گا یہ اسکی طرف سے طغیان اور زیادتی ہوگی، اور وہ پھر اپنی متعین حد سے تجاوز کر جائے گا۔

معبود: جسکی عبادت کی جائے، جس کے سامنے خاکساری اور تذلل دکھائی جائے اور اسی

طرح اس سے محبت کی جائے جیسے اللہ سے کی جاتی ہے، اور عبادت فی الواقع غایت درجہ محبت کے ساتھ غایت درجہ انکساری کو کہتے ہیں، سو اگر کوئی اللہ کے ساتھ غیر اللہ سے محبت کرے اور اسکے لئے تذلل اور انکساری دکھائے تو گویا وہ اسکی عبادت کر کے اپنی حد سے تجاوز کر رہا ہے۔

چنانچہ عبادت مجرد نماز، روزہ، حج اور زکاۃ کا نام نہیں ہے، بلکہ عبادات کی بہت ساری قسمیں اور شکلیں ہیں، جسکی حقیقت غایت درجہ محبت کے ساتھ غایت درجہ انکساری ہے، اسی میں دعاء بھی شامل ہے، اسی لئے دعاء کو عبادت کا مغز کہتے ہیں، کیونکہ اسکے اندر انکساری، امید اور حرص ہوتی ہے۔

متبوع: جسکی اتباع اور پیروی کرے معصیت میں، اللہ کی حلال کردہ چیزوں کے حرام کرنے اور حرام کردہ کے حلال کرنے میں، جیسے کہ وہ نصاری جو اپنے راہبوں اور علماء کی پیروی کرتے ہیں۔

یہی مفہوم مطاع کی بھی ہے، دونوں مترادف الفاظ ہیں، یا قریب قریب معنی میں ہیں، چنانچہ اگر کوئی کسی کی اطاعت کرتا ہے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر یا پھر تحلیل وتحریم میں اللہ کی شریعت کی مخالفت کرتا ہے تو ایسے شخص کو مطاع کہیں گے، اور اسے متبوع بھی کہہ سکتے ہیں۔

اور یہی طاغوت ہے، اور اگر آج آپ اصول کی تطبیق کرو گے تو نفی صفات میں بہت سارے لوگوں کو مطاع پائیں گے، اور وہ لوگ جنکی اطاعت کی جاتی ہے غیر اللہ کی عبادت کرنے میں، اسی طرح تحلیل وتحریم میں، اسی طرح دستوری احکام میں، جس طرح کہ قانون سازوں کی اطاعت کی جاتی ہے، اور انسان کو قانون ساز یا شریعت ساز کہنا جرم ہے، کیونکہ شریعت ساز صرف

اللہ ہے، اور جس نے اللہ کی شریعت کی تبلیغ کی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے کے انبیاء ورسل ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار اسکی تنفیذ کرنے والے ہیں خواہ وہ ملوک ورؤساء اور حکام ہوں یا علماء ہوں، یہ سب تنفیذ کار ہیں نہ کہ شریعت ساز۔

ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت ساز کا اطلاق کر سکتے ہیں کیونکہ آپ کی مطلق اطاعت ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے احکام شریعت بتائے ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، جیسے کہ خیبر کے دن گھریلو گدھے کی حرمت، عورت اور اسکی بھتیجی، اسی طرح عورت اور اسکی خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کی حرمت، جو کہ قرآن میں نہیں ہے، یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی شریعت کے مبلغ ہیں، ورنہ حقیقی شریعت ساز اللہ ہی ہے۔

چنانچہ جامعات اور کلمات سے فارغ ہونے والے دکاترہ کو شریعت ساز کہنا جو پارلیمنٹ میں جا کر قانون اور شریعت سازی کرتے ہیں یہ جاہلی امور میں سے ہے۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

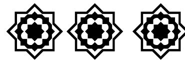
وَالطَّوَاغِيتُ كَثِيرُونَ. وَرُؤُوسُهُمْ خَمْسَةٌ، إِبْلِيسُ لَعَنَهُ اللهُ، وَمَنْ عُبِدَ وَهُوَ رَاضٍ، وَمَنْ دَعَا النَّاسَ إِلَى عِبَادَةِ نَفْسِهِ۔

ترجمہ: طاغوت بے شمار ہیں۔لیکن سرغنہ پانچ ہیں۔ابلیس اس پر اللہ کی لعنت ہو، وہ انسان جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس سے راضی ہو، ایسا شخص جو لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دے۔

الشرح:

طاغوت بے شمار ہیں۔ممکن ہے اس وقت انکی تعداد مزید بڑھ گئی ہو،لیکن سرغنہ پانچ ہیں۔ ابلیس اس پر اللہ کی لعنت ہو، وہ انسان جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس سے راضی ہو، ایسا شخص جو لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دے۔اور وہ شخص بھی جس کی پرستش کی جائے گرچہ اس نے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت نہیں دی ہے، بلکہ اس سے راضی ہے،اور اس عبادت پر مطمئن ہے، جیسے کہ لوگ اسکی سجدہ کریں، اسکے لئے رجوع کریں اسکے لئے ذبیحہ کریں، اور وہ اس سے پر راضی اور مطمئن ہو، یا جو خود لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دے، بایں طور کہ وہ کہے: میں فلاں گھرانے کا ہوں، میں اہل بیت سے ہوں، ہم سے استغاثہ کر سکتے ہیں، اور ہمارے لئے نذر و نیاز مان سکتے ہیں!! اس طرح لوگ اپنی پرستش کیلئے خود کو دوسروں کے سامنے مزین کر کے پیش کرتے ہیں، اور اکثر لوگ جذباتی ہوتے ہیں، چنانچہ جیسے ہی کوئی دعوی کر دیا کہ وہ

اہل بیت سے ہے بطور خاص عجمی ممالک میں، اور وہ اپنی پرستش کی طرف ادنی سا اشارہ کر دے تو لوگ فورا مان لیتے ہیں، اسکے لئے انکساری ظاہر کرنے لگتے ہیں، اور اگر کوئی اعتراض کرے تو کہتے ہیں کہ یہ تواضع کے باب سے ہے اور پھر اسکی پرستش میں مزید مبالغہ کرتے ہیں، والعیاذ باللہ۔



شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وَمَنْ ادَّعَى شَيْئًا مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ، وَمَنْ حَكَمَ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللهُ، وَالدَّلِيلُ قَوْلُهُ تَعَالَى: {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ} البقرة آية ٢٥٦، وَهَذَا هُوَ مَعْنَى لا اله إلا اللهُ.

وَفِي الْحَدِيثِ: "رَأْسُ الأَمْرِ الإِسْلامِ وَعَمُودُهُ الصَّلاةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ" وَاللهُ أعلم.

ترجمہ: ایسا انسان جو علم غیب میں سے کسی چیز کا دعوی کرے اور ایسا آدمی جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔"

اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے، اس لیے جو شخص طاغوت (اللہ کے سوا پوجی جانے والی تمام چیزوں) کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔ یہی 'لا إله إلا الله' کا صحیح مفہوم ومعنی ہے۔

حدیث پاک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: دین کی اصل اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

الشرح:

شیخ نے کہا: (ایسا انسان جو علم غیب میں سے کسی چیز کا دعوی کرے)۔

جیسے کہ کاہن، جادوگر، نجومی اور عراف وغیرہ، اور وہ لوگ جو لکھتے ہیں اور ریت اور مٹی پر لکیر کھینچتے ہیں، اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ انہیں لکیروں کے ذریعے وہ غیب کا پتہ لگاتے ہیں، اسی طرح وہ جو پیالی میں پڑھتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے یہ وہ غیب کا علم رکھتا ہے، جبکہ آپ کو پیالی میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا ہے، اسی طرح جو ہتھیلی پڑھ کے دعوی کرتا ہے کہ گمشدہ یا چوری ہوئی چیز کو واپس کردے گا، تو یہ سب کافر اور طاغوت کے سرغنہ ہیں، کیونکہ یہ سب علم غیب کا دعوی کرتے ہیں، جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ أَتَى حَائِضًا، أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا، أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص حائضہ کے پاس آئے (یعنی اس سے جماع کرے) یا عورت کے پچھلے حصے میں جماع کرے، یا کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے، تو اس نے ان چیزوں کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہیں“۔ (سنن ابی داود: ۳۹۰۴، سنن ابن ماجہ: ۶۳۹)۔

کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو چیز اتاری گئی ہے وہ قرآن ہے، اور قرآن کہتا ہے :(قُل لَا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ) ترجمہ: کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں خدا کے سوا غیب کی باتیں نہیں

جانتے۔اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔(النمل:۶۵)۔

سو جو بھی علم غیب کا دعوی کرے خواہ کسی بھی وسیلے اور طریقے سے وہ کافر مرتد ہے اور طواغیت کے سرغنوں میں سے ہے۔

چونکہ اس وقت یہ جاہلی امور ہر سو پھیلے ہوئے ہیں اسلئے طلبہ پر ذمیداری بڑھ جاتی ہے کہ وہ انکا مقابلہ کریں اور لوگوں کو انکے انکار کی طرف دعوت دیں، کیوں کہ انکا مقابلہ کرنا نشہ آور اشیاء سے مقابلہ کرنے سے کچھ بھی کم نہیں ہے، کیونکہ نشہ آور اشیاء اعصاب اور دیگر انسانی اعضاء کو بگاڑتی ہیں تو یہ جاہلی امور ایمان کو بگاڑتے ہیں، اور لوگوں کو کفر باللہ تک پہونچتے ہیں۔

آگے شیخ نے کہا: (اور ایسا آدمی جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی بنیاد پر فیصلہ کرے)۔

ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں اس اعتقاد میں یہ وہ اللہ کی شریعت ہی کی طرح ہے، یا اس سے بہتر ہے، اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باہر سے وضعی قوانین درآمد کرتے ہیں، اور پھر اسی بنیاد پر فیصلے کرتے ہیں، وہ دیہاتی بھی اس میں شامل ہیں جو شریعت مخالف عادات وتقالید کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، یہ ساری چیزیں اللہ کی اتاری گئی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے میں شامل ہیں، جو بھی ایسا کرے وہ کافر مرتد اور طواغیت کے سرغنوں میں سے ہے۔

لیکن جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی بنیاد پر فیصلہ کرے اس اعتقاد میں کہ اللہ کی شریعت ہی بہتر اور مناسب ہے، اور وہ اپنے فیصلے میں خطا کار ہے، تو یہ کفر اصغر ہے

جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرے گا، بلکہ یہ دیگر گناہ کبیرہ کی طرح ایک گناہ ہے، جیسے کہ کوئی شراب پیتا ہے اور زنا کرتا ہے مگر وہ اسے معصیت سمجھتا ہے۔

تیسری قسم یہ ہیکہ کوئی شریعت کی روشنی میں فیصلہ کرنے کیلئے اجتہاد کرے مگر غلطی کر کے غیر شرعی طریقے سے فیصلہ کر دے تو وہ مجتہد ہوگا اسے اجتہاد کرنے پر ایک اجر ملے گا، اور غلطی معفو عنہ ہوگی، واللہ اعلم۔

ارشاد باری تعالی ہے: (لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ) ترجمہ: دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے۔ یعنی زبردستی دین قبول نہ کرائیں، آپ صرف تبلیغ اور وضاحت کریں، کیونکہ دلوں کا مالک اللہ تعالی ہے۔

آگے اللہ تعالی نے فرمایا: (فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا) ترجمہ: اس لیے جو شخص طاغوت (اللہ کے سوا پوجی جانے والی تمام چیزوں) کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔

اس عظیم آیت کے اندر بھی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کا مفہوم ترتیب وار پایا جاتا ہے، چنانچہ اللہ کا قول: (فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ) کلمہ توحید کے جزء (لا الہ) کے مساوی ہے، جبکہ اللہ کا قول: (وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ) ترجمہ: کلمہ توحید کے جزء (الا اللہ) کے مساوی ہے، اور یہ آیت کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی تفسیر میں بہت ہی دقیق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (رَأْسُ الأَمْرِ الإِسْلامِ) ترجمہ: دین کی اصل

اسلام ہے۔

اسلام خود سپردگی اور اطاعت کو کہتے ہیں ۔اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

آگے فرمایا:(وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ) ترجمہ:اس کا ستون نماز ہے۔یعنی بغیر نماز کے اسلام قائم نہیں ہوسکتا، اسی مفہوم میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس نے نماز ترک کردیا اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔(موطاامام مالک:۱/ ۳۹)۔

اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تفسیر ہے جواس حدیث کے اندروارد ہوا ہے :

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ ".

ترجمہ: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"ہمارے اور منافقین کے درمیان نماز کا معاہدہ ہےتو جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا"۔(سنن ترمذی: ۲۶۲۱)۔

کچھ لوگ نماز میں لاپرواہی کرتے ہیں یہ دعوی کرتے ہوئے کہ ایمان دل میں ہے، یہ باطل دعوی ہے، اگر دل کا ایمان درست ہوتا تو اس کا اثر ضرور اعضاء وجوارح پر ظاہر ہوتا،مگر یہ ارجاء کا عقیدہ ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے،نسال اللہ العافیہ والسلامۃ۔

آگے فرمایا:(وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ) ترجمہ:اوراس کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ سے اسلام مضبوط اور طاقتور ہوتا ہے مومنوں کو اس سے قوت حاصل ہوتی ہے جبکہ ترک جہاد میں اسلام کا ضیاع اور مسلمانوں کی کمزوری اور ذلت ورسوائی ہے، جہاد کا فریضہ چھوڑنے کی وجہ سے یا جہاد کے مفہوم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یہ صورت حال ہے، یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہر لڑائی کا نام جہاد ہے، جبکہ جہاد صرف اس لڑائی کو کہتے ہیں جسکا مقصد دین کی سربلندی ہو، دین کی پابندی کرنا اور اسکا دفاع کرنا ہو

دور حاضر میں لڑائیوں کی کثرت ہے یہ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا حصہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرب قیامت میں قتل وخونریزی کی کثرت ہوگی۔جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكْثُرَ الْهَرْجُ "، قَالُوا: وَمَا الْهَرْجُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟، قَالَ: " الْقَتْلُ الْقَتْلُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ہرج بہت ہوگا۔“ لوگوں نے عرض کیا: ہرج کیا ہے یارسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قتل قتل (یعنی خون بہت ہوں گے)۔“ (صحیح مسلم: ۱۵۷)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے: (وَإِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) ترجمہ: اور جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو

پھر وہ اس سے قیامت تک نہیں اٹھائی جائے گی۔(سنن ابی داود: ۴۲۵۲)۔

آج کل ہم مسلمانوں کے درمیان جگہ جگہ لڑائی دیکھ رہے ہیں، سرحدوں پر معمولی زمین کی خاطر سالوں سال تک لڑتے رہتے ہیں۔

اسی طرح بہت سارے بددین قسم کے لوگ اسلام کے نام پر جہاد کرنے کا دعوی کرتے ہیں مگر فی الواقع وہ اسلام کی بنیاد اور اسکی جڑ کاٹ رہے ہیں، اور جہاد کا نعرہ بلند کر رہے ہیں، کبھی اسلام کے دفاع کی بات کرتے ہیں تو کبھی حرمین کے دفاع کی بات کرتے ہیں، اور بھولے نوجوانوں کا استغلال کرتے ہیں، جو مومنوں کے خلاف ان بددینوں کے حق میں تالی لگاتے ہیں۔

یہ بددین لبرل جو اپنے لبرل ازم پر فخر کرتے ہیں یہ یہود ونصاری سے بھی زیادہ بڑے کافر ہیں، کیونکہ جب اللہ نے یہود ونصاری سے دوسری کرنے والوں کو انہیں کی طرح بتایا ہے تو آخر ان لوگوں کا کیا حکم ہوگا جو کمنسٹ، بددین لبرل بت پرست مارکسسٹ کمبسٹوں سے دوستی کرتے ہیں، یہ ان سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، اسلئے کہ اہل کتاب کیلئے اللہ نے کچھ نہ کچھ احترام کی گنجائش رکھی ہے انکی کتاب کی وجہ سے گرچہ وہ منسوخ ہے، چنانچہ ایک مسلمان کیلئے جائز ہیکہ وہ اہل کتاب کا ذبیحہ کھائے، انکی عورتوں سے نکاح کرے، گرچہ افضل یہی ہیکہ ایک مسلمان ایک مسلمہ خاتون کو چھوڑ کر انکی عورتوں سے نکاح نہ کرے۔

اور جہاں تک مرتد، مجوسی، بت پرست، ہندو، بدھسٹ اور کمنسٹوں کا تعلق ہے تو انکا کوئی اعتبار اور احترام نہیں ہے۔

ایک علمانی بد دین مرتد ہے، کیونکہ یہ پہلے مسلم تھا پھر اس نے علمانیت یعنی کمیونزم کو قبول کرلیا ہے، اور یہ ملت یہودیت اور نصرانیت سے بھی زیادہ خبیث ہے، اور ان سے دوستی کرنا یہود ونصاریٰ سے دوستی کرنے کے مقابلے کہیں زیادہ سنگین اور کفر ہے، چنانچہ جو کمنسٹوں سے دوستی کرے اور مومنوں کے خلاف انکی مدد کرے وہ بھی انہیں کی طرح ہوگا، اس لئے اس پر متنبہ ہونے کی ضرورت ہے، اور یہ جان کر رکھیں کہ یہ یہود ونصاریٰ سے بھی زیادہ خبیث ہیں۔

اسی لئے ہم نوجوانوں کو اکثر یہ نصیحت کرتے رہتے ہیں جو انکی شعلہ بار تقریروں اور انکے نعرہ باز مظاہروں سے دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں، اور جو لوگ خود کو اسلام پسند کہتے ہیں، اور یہ انہیں کمنسٹوں کی تائید اور مدد کرے ہیں، میں ان سب کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے توبہ کرکے دین صحیح کی طرف واپس آجاؤ، ورنہ موقف بہت سنگین ہے، کیونکہ تم لوگ دراصل جہاد ہر قادر نہیں ہو، اور نہ کر سکتے ہو بلکہ تم لوگ جہاد کو ایک شعار اور نعرہ بنانا چاہتے ہو، اور کچھ بھی کرنا نہیں چاہتے ہو، اس سے تمہارے ہی ایمان کا نقصان ہے جسکا تمہیں شعور بھی نہیں ہوگا۔

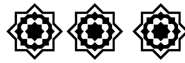
اسی لئے میں نصیحت کرتا ہوں کہ پہلے جہاد کا مطلب سمجھ لیں، کہ جہاد کہتے ہیں کہ تم دین اسلام کو سمجھنے کے بعد اپنے جان ومال کے ساتھ اللہ کے دین کی نصرت کیلئے نکل جاؤ، لیکن اگر تمہیں دین کی کوئی سمجھ نہیں ہے صرف جہاد کا نعرہ لگاتے ہو تو اسکا ہوتی فائدہ نہیں ہوگا۔

پہلے علم حاصل کرو، کیونکہ قول وعمل سے قبل علم کا حصول ہے، تاکہ حقیقت میں معلوم ہو کہ مجاہد کون ہے، حق کہاں اور باطل کہاں ہے، اور ہر چیخنے والے کے پیچھے نہ بھاگو اس حال میں کہ تمہیں کچھ پتہ نہ ہو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، تم انکے پیچھے ادھر ادھر بھاگتے رہو اور اپنے دین

وایمان اور اللہ کے سامنے بروز قیامت کھڑا ہونے کو بھول جاؤ۔

اسلئے نوجوانو! خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، واپس آجاؤ، اور اللہ کا دین پہلے سیکھو اور حق و باطل کی تمیز حاصل کرو، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرو، و باللہ التوفیق۔

وصلى الله وسلم وبارك على نبينا محمد واله وصحبه۔



فہرست موضوعات

